فضائل و مسائل

قربانی



حضرت مولانا محمد ابراهیم چشتی

شبیر برادرز

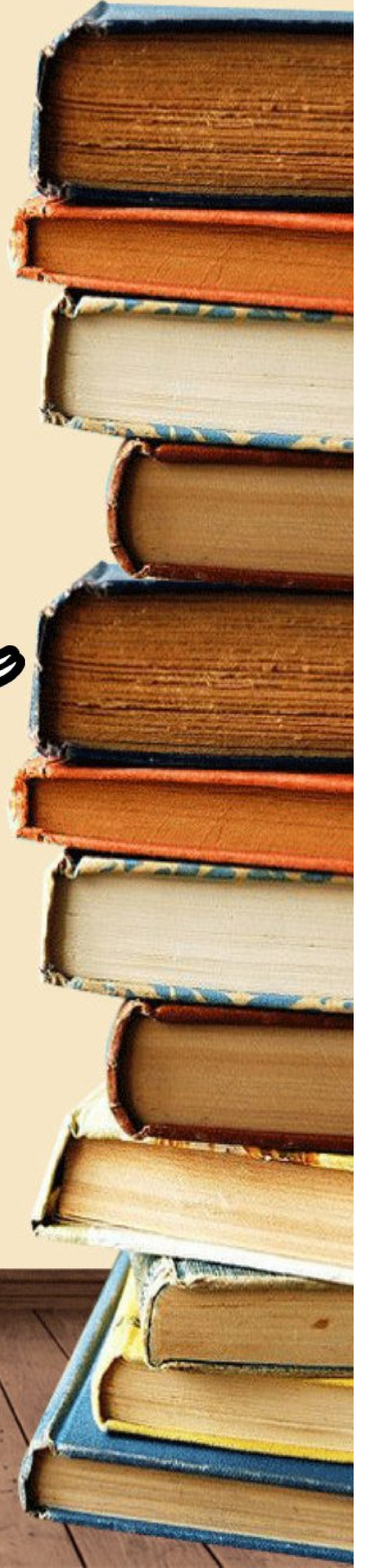
خوشخبری

علماء اہلسنت کی کتب PDF میں
حاصل کرنے کیلئے
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن
کریں

https://t.me/tehqiqat

گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے لئے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari



طالب دعا زوہیب حسن عطاری

فضائلِ ومسائل

قربانی

حضرت مولانا محمد ابراہیم چشتی
ناظم اعلیٰ - دارالعلوم کنزالایمان (رجسٹرڈ) نصیرہ - کھاریاں کینٹ ضلع گجرات

ناشر
شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول 40 اُردو بازار لاہور
فون : 7246006

نام کتاب	••****** ••	فضائل و مسائل قربانی
مصنف	••****** ••	حضرت مولانا محمد ابراہیم چشتی
صفحات	••****** ••	۲۰۰
اشاعت	••****** ••	ستمبر ۲۰۰۵ء
کمپوزنگ	••****** ••	ورڈز میکر
مطبع	••****** ••	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر	••****** ••	ملک شبیر حسین
قیمت	••****** ••	روپے

ملنے کے پتے

ادارہ پیغام القرآن

زبیدہ سنٹر 40 اُردو بازار لاہور

مکتبہ اشرفیہ

مریدکے (ضلع شیخوپورہ)

فہرست

تقدیم

ایسی شخصیت...... جسے تحریک کہا جائے تو بجا...... جہد مسلسل کا نام دیا جائے تو درست...... حسن علم و عمل سے مزین کہیے تو تسلیم...... جرأت رندانہ کا مصداق قرار دیجئے تو حقیقت...... ایسی شخصیت...... جس کے کلام سے صداقت کے پھول جھڑیں...... جس کی تحریر سے حقائق کے سوتے پھوٹیں...... جس کے کردار سے عزم و استقلال ہویدا ہو...... اس کی زندگی...... ایسی زندگی...... کہ جس میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ جلیں اور دین اسلام کے گلزار کھلیں...... ان تمام حسین بکھرے رنگوں کو ترتیب دی جائے تو حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم چشتی کی شخصیت بنتی ہے۔

جس میں حق کی للکار بھی ہے اور باطل کے خلاف یلغار بھی...... جس کے حقائق کی تلوار سے اغیار کا سینہ چاک چاک ہے...... جو عالی ہمت، عالی حوصلہ...... بے خوف اور بے باک ہے...... وہ شخصیت جس نے تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جوانی کا خون پیش کیا...... جان ہتھیلی پر رکھ کر...... محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جام حلق سے اتارا...... قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر کے...... ناموس رسالت پر تن من دھن سب کچھ قربان کیا...... اور کوہ استقلال بن کر دین اسلام کی اشاعت کی۔

جب جوانی کے مہ و سال، تجربات کی آنچ سے پک کر...... پانچویں دہائی میں داخل ہوئے تو تصنیف سے وابستگی گہری ہوگئی...... نوک قلم سے...... مختلف موضوعات پر مدلل و محقق کتب تحریر فرمائیں...... ''جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے'' کے مصداق اپنے تو

اپنے، غیروں نے بھی سر تسلیم خم کیا...... ابتدائی دور تحریر میں مختلف اشتہارات رقم کیے...... قلم کی جولانی بڑھی...... رجحان مزید پختہ ہوا تو...... فضائل قربانی...... کے نام سے ایک رسالہ نافعہ تالیف کیا۔ اس کے بعد تسلسل کے ساتھ لکھنا شروع کیا...... ''اہل سنت و جماعت حقیقت کے آئینے میں'' منکرین کے سینہ پر پتھر ثابت ہوئی...... عقائد اہل سنت و جماعت کی حقانیت پر ایک منفرد تحریر ہے...... سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوب کر لکھی گئی ہے...... اس کے بعد، یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حوالے سے ایک شاہکار کتاب ''خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ'' رقم فرمائی...... جس نے رافضیت کے اعتراضات کا مکمل قلع قمع کر دیا اور عقیدہ اہل سنت، قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ کی روشنی میں ایسے جامع انداز میں پیش کیا کہ شکوک و شبہات کا سارا غبار صاف کر دیا......

جس طرح آپ کے قائم کردہ مدرسہ ''دارالعلوم کنز الایمان فیضیہ سلطانیہ'' کے نام میں رضویت کا رنگ ''کنز الایمان'' کی صورت شامل ہے اسی طرح آپ کی فکر و تحریر میں بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا تحقیقی پہلو نمایاں ہے ان چند سالوں میں منظر عام پہ آنے والی تحقیقی کتب نے ...... بلا مبالغہ'' آپ کو درجہ اوّل کے علماء مصنفین میں لا کھڑا کیا ہے...... ایسی کتب...... جن کی ہر بات باحوالہ...... ہر سطر پر اثر اور ہر تحریر، دل پذیر ہے......

ایک ہم عصر عالم دین نے نماز کے اندر، قیام میں ہاتھ باندھنے کے متعلق دریافت کیا...... تو عربی میں ایک تحقیقی رسالہ رقم کیا...... جو خالصتاً علمی تحریر ہے اور اس کا ترجمہ ...... فاضل جلیل علامہ ظفر اقبال کلیار نے کیا......

''قرأت خلف الامام'' پر مستند کتاب سال بھر پہلے مارکیٹ کی زینت بنی...... اس موضوع پر کافی لوگوں نے لکھا مگر مستقل کتاب نظر سے نہیں گزری...... آپ نے تقریباً 300 صفحات پر مشتمل یہ علمی مقالہ تحریر فرما کے، اہل تحقیق سے داد وصول کی...... جس کا لفظ لفظ حقیقت سے مملو ہے...... صداقت اپنی زباں سے بول بول کر حرف تائید پیش

کررہی ہے......

''تقلید'' جس پر ''غیر مقلدین'' سے سینوں میں ہول اٹھتے ہیں اور اور اس آڑ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ، کی ذات بابرکات پر رکیک اعتراضات اور زبانِ پُرفساد دراز کرتے ہیں...... حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم چشتی دامت برکاتہم العالیہ نے اس فکری موضوع پر...... ایک وقیع کتاب...... ''مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت'' لکھ کر ''مقلدین'' کا بوجھ ہلکا فرمایا...... آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ تفاسیر کے اقتباسات...... اور خود غیر مقلدین سے تقلید کے اثبات کے بارے میں بدلل تالیف ہے۔

علامہ موصوف آج کل صحیح بخاری کے ترجمہ میں مصروف......شب و روز......سعی پیہم کے عمل سے گزر رہے ہیں...... دو حصے کام مکمل ہو چکا ہے اور اس میں دو سال سے زائد عرصہ صرف ہوا......کام جاری ہے...... انشاء اللہ عنقریب مکمل ترجمہ بخاری شریف قارئین کے سامنے ہوگا......جس کی وقعت و وجاہت تمام ترجموں سے جدا ہوگی..

ترجمہ کے میدان میں...... اور بالخصوص وہ کتاب جو بعد از قرآن حکیم، ''اصح الکتب'' ہے...... بہت سے لوگوں نے قلم کے گھوڑے دوڑائے...... مگر اکثر تراجم ابہامات وتسامحات کی گرد سے محفوظ نہ رہ سکے...... علم حدیث اور فن حدیث سے لگاؤ اور شناسائی کے بغیر...... بخاری شریف جیسی معتبر کتاب کا ترجمہ کرنا...... کارِ جنوں ہی نہیں......شرافت علم پہ شب خوں بھی ہے...... علمائے کرام...... جو حقیقی معنوں میں علماء ہیں...... انہیں تو تراجم کی ضرورت ہوتی نہیں...... اس لیے ان کی توجہ بھی اس طرف مبذول نہیں ہوتی...... یہی وجہ ہے کہ مارکیٹ میں ملنے والے تراجم کی طرف کچھ پیش رفت عمل میں نہیں آئی...... آج کل ہر مہ وکہ...... فن حدیث اور اصول جرح سے لاتعلق ...... راویوں کے احوال سے ناآشنا...... اسناد ومتون کی پرکھ سے ناواقف۔ مترجمین نے اس بارے میں ''طبع آزمائی'' کی ہے جو نہ صرف باعث تشویش ہے بلکہ اس کی تفتیش بھی ضروری ہے کہ کیوں کر عام آدمی ...... کلام سید الانام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

خوبصورتی اور رعنائی کو مسخ کرنے کے درپے ہے۔

حضرت علامہ موصوف کا ترجمہ...... جس دقیق اور عمیق مطالعہ کے بعد...... اردو میں منتقل کیا جارہا ہے انشاء اللہ ...... نہ صرف عوام...... بلکہ خواص کے لیے بھی ایک گرانقدر تحفہ ثابت ہوگا......

ترجمہ بخاری شریف چونکہ نہایت اہم اور وقت طلب کام ہے لہٰذا ان دو سالوں میں کوئی اور کتاب سامنے نہ آسکی...... مگر اب اس مصروفیت سے کچھ وقت نکال کر...... مصنف محترم نے...... ''فضائل قربانی'' کے عنوان سے خوبصورت کتاب تحریر کی...... جو نہ صرف قربانی کے فضائل و مسائل پر مشتمل ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے بھی دلچسپ فکری گفتگو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

یہ کتاب دراصل تقریباً 40 صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ تھا جس کی تقدیم فاضل جلیل، محقق شہیر، حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب مدظلہ، نے لکھی تھی اور چھپوائی سے پہلے یہ رسالہ حضرت سلطان العلماء والاولیاء...... مولانا سلطان احمد رحمۃ الرحمہ کے سامنے بطور تصدیق پڑھا گیا...... آپ نے نہ صرف اس کی تصدیق فرمائی بلکہ اس کے نافع ہونے کے لیے دعا بھی فرمائی...... زبان سہل کرنے کا مشورہ بھی ارشاد فرمایا...... اس رسالے کو بنیاد بنا کر...... اب اسے ایک مستقل کتابی صورت میں پیش کیا جارہا ہے...... جہاں پر قربانی کے موضع پر یگانہ تحریر ہے وہاں اصولی مسائل پر بھی قابل داد بحث سے آراستہ ہے۔

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم دامت برکاتہم العالیہ نے ابتدائی چند کتابوں کے علاوہ، مکمل تعلیم حضرت سلطان العلماء و الاولیاء حضرت علامہ سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی...... اور آپ کے ضعف و علالت کے ایام میں...... جب کہ آپ خود مطالعہ نہیں فرما سکتے تھے...... اس رسالہ کے مشتملات کو مکمل طور پر آپ کے سامنے پڑھ کر...... سند تصدیق حاصل کی گئی اس لیے ''کتاب قربانی'' کے شروع میں قبلہ حضرت

علامہ سلطان احمد رحمتہ اللہ علیہ کے سوانح پر مشتمل مختصر مقالہ شامل کتاب کر دیا گیا ہے...... علمی دنیا کے سلطان...... کی زندگی کے بارے میں یہ ادنیٰ سی کوشش ہے جو مجھ ناچیز کے حصہ میں آئی...... فکر و مشاہدہ حضرت علامہ کا ہے اور تحریر بندہ عاجز کی ہے۔

حضرت علامہ محمد ابراہیم چشتی ...... اس وقت تصنیف و تالیف کے انتہائی اہم دور سے گزر رہے ہیں...... ''دارالعلوم کنزالایمان فیضیہ سلطانیہ'' کا بہترین انتظام و انصرام بھی جاری ہے...... 25 سال کی مسلسل قربانیوں کے بعد...... یہ درخت ثمر آور ہے جس کی شاخیں شرقاً غرباً پھیل چکی ہیں...... اس سے فیض یافتہ لوگ نہ صرف اندرون ملک...... بلکہ بیرون ملک بھی...... خدمت دین میں مصروف ہیں۔

رب ذوالجلال مولانا موصوف کا سایہ تادیر اہل سنت و جماعت کے سروں پر قائم رکھے...... ان کی مساعی جمیلہ اور پرخلوص کاوشوں میں مزید برکتیں عطا فرمائے...... ربّ ذوالجلال اہل سنت و جماعت کو استحکام...... فکری ارتقاء...... نظریاتی نشوونما اور اتفاق و اتحاد کی دولت عطا فرمائے۔

آمین

غبارِ راہِ حجاز

محمد سجاد رضوی

شعبہ نشر و اشاعت (دارالعلوم کنز الایمان نصیرہ)

نحمده ونسلم ونصلی علٰی رسوله الکریم وعلٰی اٰله واصحابه الطیبین الطاهرین

اما بعد: فاعوذ با الله من الشیطٰن الرجیم

بسم الله الرحمٰن الرحیم ۔

قال الله عزوجل فی کتابه العزیز الحکیم ۔

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"

برادران اسلام! قربانی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار اور عظیم شعار اسلام ہے۔ جسے جمیع امت مسلمہ سایہ علم توحید میں ہر سال بہ نیت تقرب اللہ عزوجل کی بارگاہ میں پیش کرتی ہے اور اس مروجہ قربانی کا ذکر جسے اضحیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے قرآن حکیم میں سوائے اس آیہ کریمہ کے اور کہیں نہیں ملتا ہاں دم احصار، دم تمتع اور دم جنایت کا ذکر ہے۔ اضحیہ اور ھدی میں فرق ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں صرف اضحیہ کا ذکر فرمایا ہے اور وجوب قربانی کا استدلال کیا ہے۔

"ثبوت وجوب قربانی از قرآن"

اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" اے محبوب تم اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ اس آیہ مبارکہ کے ماتحت رقمطراز ہیں۔ "استدلت الحنفیة علٰی وجوب الاضحیه بان الله تعالٰی امره بالنحر" حنفیہ نے اس آیہ کریمہ سے وجوب قربانی کا استدلال کیا ہے۔ ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی

ہے کیونکہ آپ سے ترک واجب جائز نہیں اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی ہے تو ہم پر بھی ان کی مثل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے ''واتبعوہ'' آپ کی اتباع کرو، اور اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ''فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اتباع کرو اللہ عزوجل تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ ثابت ہوا قربانی کرنا واجب ہے۔ ''المسئالة الثالثه '' کے ماتحت لکھتے ہیں کہ ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ '' کے معنی میں علماء مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے متعلق تین قول نقل کیے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں۔

ولأ قرب القول الاول لانه لایجب اذا قرن ذکر النحر بالصلوٰۃ ان تحمل الصلوٰۃ علٰی مایقع یوم النحر .

پہلا قول قریب ترین ہے یعنی اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھو۔ اور قربانی بھی صرف اپنے ربّ کے لیے ہی کرو، کیونکہ جب ذکر قربانی کے ساتھ نماز کا ذکر مقرون ہو تو واجب نہیں کہ جو نماز عید کے دن پڑھی جاتی ہے (نماز عید) یہ نماز اس نماز پر محمول ہو۔ مقصد یہ ہے کہ ''فصل '' سے مراد نماز عید نہیں بلکہ جنس نماز ہے اور ''نحر '' سے مراد قربانی کرنا ہے، امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ ''قال الاکثرون حمله علٰی نحر البدن اولٰی لوجوہ''

اکثرین مفسرین کرام کا قول یہ ہے کہ ''وَانْحَرْ '' سے مراد قربانی ہے اور یہ معنی باقی معانی سے اولٰی ہے۔ اور اس اولویت کی پانچ وجوہ نقل فرمائیں۔

(1) اللہ عزوجل نے جب بھی نماز کا ذکر فرمایا ساتھ ہی زکوٰۃ کا امر فرمایا لہٰذا اس آیہ کریمہ ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ '' میں لفظ ''نحر '' سے قربانی مراد لی جائے گی اس لیے کہ قربانی مالی عبادت ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کے قائم مقام ہے۔

(2) مشرکین اپنے باطل معبودوں کے لیے نماز اور قربانی کرتے تھے اللہ عزوجل نے ان دونوں کاموں کو اپنے لیے خاص فرمادیا اگر ''وَانْحَرْ '' سے قربانی مراد نہ ہو تو قربانی کا اللہ عزوجل کے لیے خاص ہونا ثابت نہ ہوگا۔

(3) نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا، رفع یدین وغیرہ امور، نماز کے آداب و ابعاض میں سے ہیں اور "وَانْحَرْ" "فصل" کا معطوف ہے اور کسی چیز کا بعض کا عطف جمیع پر امر بعید ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ "وَانْحَرْ" سے مراد قربانی لی جائے تاکہ کلام الٰہی میں قباحت لازم نہ آئے۔

(4) "فصل" میں امر الٰہی کی تعظیم اور "وَانْحَرْ" میں شفقت علیٰ خلق اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور جملہ حقوق عبودیت ان دو اصولوں سے خالی نہیں ہیں۔ اس لیے "وَانْحَرْ" سے قربانی مراد لینا اولیٰ ہے اور "فصل" میں امر الٰہی کی تعظیم ہونا ظاہر ہے۔ قربانی میں شفقت علی خلق اللہ کے کئی پہلو ہیں۔ اوّل یہ کہ قربانی کے جانور ذبح ہونے کے بعد بروایت صحیحہ جنت میں جائیں گے یہ جانوروں پر شفقت کا ایک پہلو ہے۔ قربانی کرنے والے بوجہ قربانی اجر اخروی کے مستحق ہیں یہ ان کے حق میں شفقت ہے پھر عام غرباء اور مساکین دنیا میں قربانی کے گوشت سے فائدہ پائیں گے یہ بھی شفقت کا ایک پہلو ہے۔

(5) لفظ نحر کا استعمال بہ نسبت باقی معانی قربانی میں زیادہ مشہور ہے اس لیے کہ لفظ "وَانْحَرْ" جو اللہ عزوجل کے کلام میں آیا ہے اس کا محل اس معنی پر واجب ہے۔
(تفسیر کبیر جز 32 ص 130)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی نفیس تصریح سے ثابت ہوا کہ نحر سے مراد قربانی ہے جو اس آیۃ کریمہ سے ثابت ہے۔

صاحب تفسیر خازن ناصر الشریعہ ومحی السنہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی المعروف بالخازن رحمۃ اللہ علیہ اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

معناه أن ناساً كانوا يصلون لغير الله تعالٰى وينحرون لغير الله فامر الله نبيه صلى الله عليه وسلم ان يصلى له وينحر له متقرباً الٰى ربه بذالك (تفسیر خازن ج 4 ص 447)

اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ غیر اللہ کی نماز پڑھتے تھے اور غیر اللہ کے نام کی قربانی

کرتے تھے اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اللہ عزوجل کے لیے نماز پڑھنے اور اپنے ربّ کے حضور بہ نیت تقرب قربانی کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہی قول ہے جس کو امام فخر الدین رازی نے باقی معانی میں سے اس معنی کو زیادہ مشہور اور قریب تر ین قرار دیا ہے۔

صاحب تفسیر مدارک، الامام الجلیل العلامہ ابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ" فاعبد ربك الذی اعزك باعطائه وشرفك وصانك من منن الخلق مراغماً لقومك الذین یعبدون غیر اللّٰہ" وَانْحَرْ" لوجهه وباسمه اذا نحرت مخالفاً لبعدة الاوثان للّٰہ فی النحرها ۔ (تفسیر مدموک علی الخازن ج 4 ص 448)

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ" کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب اس اللہ عزوجل کی عبادت کرو جس نے اپنی اعطاء کے ساتھ آپ کو عزت و شرف کا بلند مقام عطا فرمایا اور مخلوق کے احسانات سے آپ کو محفوظ و مامون فرمایا اس وحدہ لاشریک کی پسندیدگی کے لیے اپنی قوم کو چھوڑ دو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور بتوں کے پجاری جو بتوں کے نام سے ذبح کرتے ہیں ان کی مخالفت کرتے ہوئے خاص اللہ عزوجل کی ذات کے لیے اور جب ذبح کرو تو اس کے نام کے ساتھ قربانی ذبح کرو۔ صاحب مدارک کی یہ تفسیر بھی پہلے دو قولوں کی موید ہے کہ "نحر" سے مراد اللہ عزوجل کے لیے قربانی کرنا ہے۔

صاحب تفسیر مظہری الحبر العلامه والبحر الفهامه حامل شریعت و طریقت بیہقی وقت قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی، قادری، مجددی اور نقشبندی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

"فصل" الفاء للسببية یعنی فصل شکرا للّٰہ تعالیٰ علیٰ ما اعطاك فان الصلوٰۃ جامعة لاقسام الشکر باللسان والقلب والجوارح "لربك" خالصا بوجهه خلافاً لمن یصلون وینحرون بغیر اللّٰہ ۔

وخلا فألمن يراؤن فيها" وَانْحَرْ" البدن التی هی خیار اموال العرب وتصدق علی الیتامیٰ والمساکین ۔قال عکرمة وعطاء وقتادة فصل لربك صلوٰة العید یوم النحر و نحر نسکك فعلیٰ هذا یثبت به وجوب صلوٰة العید والاضحیة ۔

(تفسیر مظہری ج10 ص353)

فرماتے ہیں ''فصل'' صرف فاسبب کے لیے ہے یعنی جواللہ عزوجل نے آپ کو عطا فرمایا اس کا شکر کرتے ہوئے نماز پڑھو۔اس لیے کہ نماز تمام اقسام شکر کی جامع ہے شکر خواہ زبان سے ہو یا قلب سے یا جوارح کے ساتھ۔''لــــربك'' یعنی خالص اس ذات کریمہ کے لیے ان لوگوں کے خلاف جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے نام کی قربانی کرتے ہیں۔اور جو دکھلاوے کے لیے قربانی کرتے ہیں۔''وَانْحَرْ'' اور اوٹ کی قربانی کرو جو اموال عرب میں سے اچھا اور بہترین مال تصور کیا جاتا ہے۔اور قربانی کا گوشت یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرو، حضرت عکرمہ، عطاء اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ'' سے قربانی کے دن صلوٰۃ عید مراد ہے اور ''نحر'' سے اس دن قربانی کرنا مراد ہے قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس قول کے مطابق نماز عید اور قربانی کا واجب ہونا اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے۔اور جن حضرات مفسرین کے نزدیک صلوٰۃ سے مراد جنس صلوٰۃ ہے ان کے نزدیک نماز عام ہے خواہ وہ فرضی ہو یا نفلی یعنی ہر قسم کی عبادت کے لائق و مستحق وہی ذات مقدسہ ہے اور قربانی بھی اسی کے لیے کرو۔معلوم ہوا بعض کے نزدیک نماز عید کا وجوب ہی اس آیۃ کریمہ سے ثابت ہے جیسے وجوب قربانی۔اور بعض کے نزدیک صرف قربانی کا وجوب ہی ثابت ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

اوحدالبلغاء المحققین وعمدة النحاة والمفسرین اثیر الدین ابی عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اندلسی غرناطی الشهیر بابی حیان نحوی اپنے تفسیر مسمٰی به بحرالمحیط میں اس آیۃ

مقدسہ کے ماتحت نقل فرماتے ہیں:

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" الظاهر ان "فصل" امر بالصلوٰة يدخل فيها المكتوبات والنوافل " وَانْحَرْ" نحر الهدى والنسك والضحايا قاله الجمهور . ولم يكن فى ذالك الوقت جهاد فأمر بهذين . (تفسیر بحر المحیط ج8 ص520)

فرماتے ہیں ظاہر ہے کہ "فصل" نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اس میں فرائض اور نوافل سب نماز میں داخل ہیں۔ اور "وَانْحَرْ" سے "هدى" وہ جانور جو قربانی کے لیے حرم میں بھیجا جائے ذبح کرنا مراد ہے اور "نسك" وہ نذر جو اللہ کے لیے پیش کی جائے اور کبھی ذبیحہ کو "نسك" کہتے ہیں اور کبھی نقصان کے جرمانہ کو بھی "نسك" کہا جاتا ہے اور قربانیاں مراد ہیں اور یہ جمہور کا قول ہے اور اس وقت جہاد فرض نہیں تھا تو اللہ عزوجل نے ان دونوں کو حکم فرمایا۔ صاحب تفسیر کا یہ قول کہ "فأمر بهذين "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ھدی اور نسک اور ضحایا سے مراد قربانی ہے اور ان سب کا ایک ہی حکم ہے اور دوسرا نماز پڑھنے کا حکم مراد ہے۔ معلوم ہوا مروجہ قربانی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق واجب ہے۔

العلامۃ الفہامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن مشہور بتفسیر قرطبی میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"قوله تعالى" "فصل" اى اقم الصلوٰة المفروضة عليك كذا رواه الضحاك عن ابن عباس رضى الله عنهما وقال قتادة وعطاء و عكرمه "فَصَلِّ لِرَبِّكَ" صلوٰة العيد يوم النحر" والنحر" نسكك (تفسیر قرطبی ج20 ص148)

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان "فصل" سے مراد ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز آپ پر فرض کی گئی ہے اسے ادا فرمائیں اس طرح ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ حضرت قتادہ، عطاء اور عکرمہ رضی اللہ عنہم نے کہا

''فصل'' نحر کے دن نماز عید پڑھنے کا حکم ہے اور ''نحر'' سے قربانی کرنے کا حکم مراد ہے۔ اس سے ثابت ہوا قربانی کے دن نماز عید اور اس کے بعد قربانی کرنا اس آیت مقدسہ سے ثابت ہے جیسا کہ صاحب تفسیر مظہری نے فرمایا کہ اس قول کے مطابق نماز عید اور قربانی کرنے کا وجوب اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے۔

صاحب تفسیر روح المعانی خاتمۃ المحققین، عمدۃ المدققین مرجع اھل عراق، مفتی بغداد علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیۃ کریمہ کے ترجمہ وتفسیر میں لکھتے ہیں۔

والاکثرون علٰی ان المراد بالنحر نحرالاضاحی واستدل بعضهم علی وجوب الا ضحیة لمكان الامرمع قوله تعالی "فاتبعوه"

فرماتے ہیں اکثرین اس پر ہیں کہ نحر سے مراد قربانیوں کا ذبح کرنا ہے اور بعض نے وجوب قربانی پر اس آیۃ کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ لہٰذا جس طرح آپ پر قربانی واجب تھی اسی طرح ہم پر بھی قربانی واجب ہے۔

آپ لکھتے ہیں۔

وقيل المراد بهاصلوٰة العيد وبالنحر التضحية ۔

اور بعض کے نزدیک جیسا کہ حضرت قتادہ، عکرمہ اور عطاء کا قول ہے کہ صلوٰۃ سے مراد نماز عید ہے، اور نحر سے مراد قربانی کرنا ہے۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

ولعل فی صحة الاحاديث عندالاكثرين مقالاً والا فی قالوا الذی قالوا "الخ"

یعنی اکثرین کے نزدیک ان احادیث جن میں اس کے علاوہ دیگر اقوال منقول

ہیں ان کے صحت میں مقال ہے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حدیث علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ جس میں ''وَانْحَرْ'' کا معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے اس کو ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کیا اس کی سند ضعیف ہے اور محدث ابن جوزی نے ''الموضوعات'' میں اس کی تخریج کی۔

أقول وباالله التوفيق وبيده أزمة التحقيق :- ابن جریر طبری نے حدیث حضرت علیٰ مرتضٰی کو دو طریق سے روایت کیا۔

(طریق اول) حدثنا حماد بن سلمه عن عاصم الجحدری عن ابيه عن عقبه بن ظبيان عن علی رضی الله عنه "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" وضع يده اليمنی علٰی وسط ساعده علٰی صدره ۔

(طریق دوم) عن حماد بن سلمه عن عاصم الاحول عن الشعبی مثله ۔

عقبہ بن ظبیان نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے قرآن مقدس کی اس آیۃ مبارکہ ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ'' کے متعلق دریافت کیا تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے پہلے دایاں ہاتھ بائیں بازو کے وسط میں رکھا پھر سینے پر ہاتھ باندھے (یعنی آپ نے سمجھایا کہ اس سے مراد سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے۔)

ان دونوں سندوں میں عاصم نامی دو راوی ہیں ایک عاصم بن نجاح ابومحشر جحدری اور دوسرے عاصم سلیمان الاحول بعض علماء کے بقول عاصم بن نجاح ابومحشر جحدری نے اپنے باپ کی وساطت سے عقبہ بن ظبیان سے روایت کی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ الکبیر کے ذیل میں حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد رازی متوفی 327ھ کے حوالہ سے یہ عبارت درج ہے۔

وفی الجرح والتعديل: وضع اليمين علٰی الشمال فی الصلٰوة ولم يزد "علٰی صدره" (تاریخ الکبیر ج6 ص437)

ابن ابوحاتم نے اپنی کتاب ''الجرح والتعديل'' میں ترجمہ عقبہ بن

ظبیان کے ماتحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کونقل کیا ہے لیکن اس حدیث میں ''علٰی صدرہ'' کا اضافہ نہیں بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا یہی مروی ہے معلوم ہوا ''علٰی صدرہ'' اپنے سینہ پر ہاتھ رکھنے کے الفاظ راوی کی طرف سے زیادہ کئے گئے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اصل روایت میں موجود نہیں۔ اس کی مؤید مصنف ابن شیبہ کی ایک حدیث ہے جو انہوں نے من طریق عقبہ بن ظہیر عن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

''وضع الیمین علی الشمال'' یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت صرف یہاں تک ہے اور ''علٰی صدرہ'' راوی کا اضافہ ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں۔ (مصنف ابن شیبہ ج اوّل ص390)

اس بندہ ناچیز نے ایک رسالہ ''نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں'' تحریر کیا ہے جس میں صحیح ابن خزیمہ کی ایک حدیث کا جواب ہے۔ اس رسالہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا نہایت مدلل جواب دیا گیا ہے اگر اس کی وضاحت مقصود ہو تو اس رسالہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ (وما علینا الا البلاغ)

یہی وہ حدیث ہے جس کو ابن ابی حاتم اور حاکم نے مستدرک میں بسند ضعیف تخریج کیا اور محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں تخریج کیا۔ پھر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں قول اکثرین کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ'' کا یہ معنی کہ اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو' تمام معانی سے راجح ہے کیونکہ یہ معنی اکثرین مفسرین نے کیا ہے اور یہی معتبر ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی نے امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول قال الاکثرون حملہ علٰی نحر البدن اولٰی لوجوہ کے ماتحت وجہ پنجم نقل فرمائی۔ کہ لفظ نحر کا استعمال بہ نسبت باقی معانی قربانی میں زیادہ مشہور ہے اور لفظ نحر جو اللہ عزوجل کے کلام میں آیا

ہے اس کا محل اس معنی پر واجب ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز 301 ص 247-246)

الامام الکبیر والمحدث الشہیر ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی تفسیر "جامع البیان فی تفسیر القرآن" المشہور بہ تفسیر طبری میں اس آیہ کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وقال الآخرون عنی بقوله " فَصَلِّ لِرَبِّكَ " المكتوبة وبقوله " وَانْحَرْ " نحر البدن ذكر من قال ذالك یعنی دوسرے علماء مفسرین نے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ" سے صلوٰۃ مکتوبہ مراد لی ہے اور اللہ عزوجل کے اس فرمان "وَانْحَرْ" سے اونٹ کا نحر مراد لیا ہے۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے انہوں نے ان روایات پر اعتماد کیا ہے۔

(1) حدثنا ابن حميد قال ثنا حكام بن مسلم و معروف بن مغيره عن عنبسة عن ابن ابى نجيح عن مجاهد "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" قال الصلوٰة المكتوبة ونحر البدن .

مجاہد سے روایت ہے کہ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" سے مراد نماز فرض اور اونٹ کا نحر ہے۔

(2) حدثنی محمد بن سعد قال ثنی ابی قال ثنی عمی قال ثنی ابی عن ابيه عن ابن عباس رضی الله عنهما "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" قال الصلوٰة المكتوبة "وَانْحَرْ" النسك والذبح يوم الاضحى .

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیۃ مقدسہ کی تفسیر میں فرمایا "فَصَلِّ لِرَبِّكَ" سے مراد نماز فرض ہے اور "وَانْحَرْ" سے مراد قربانی ہے اور قربانی کے دن ذبح کرنا مراد ہے۔

صاحب تفسیر طبری تمام روایات نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واولٰى هذه الاقوال عندى بالصواب قول من قال معنى ذالك فاجعل صلوتك كلها لربك خالصاً دون ماسواه من الانداد

والآلهة و كـذالك نحرك اجعله له دون الادثان شكر أله علىٰ ما أعـطـاك مـن الـكـرامة والخير فتاويل الكلام اذا انا أعطيناك يا مـحـمـد (صـلـى الله عـلـيـه وسـلـم) الكوثر انعاماً مناعليك به وتـكـرمة مـنـا لك فـاخـلـص لـربك الـعبادة وافردلـه صلاتك ونسكك خلافاً لما يفعلهُ من كفربه وعبد غيره ونحر للاوثان .

(تفسیر طبری جز 30 ص 212-211)

فرماتے ہیں میرے نزدیک ان تمام اقوال میں سے اولیٰ وافضل قول جو باصواب ہے اس شخص کا قول ہے جس نے کہا اس آیۂ مقدسہ کا معنی یہ ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام نمازیں خالص اپنے ربّ کے لیے ادا فرماؤ نہ کہ اللہ کے سوا دوسرے باطل معبودوں کے لیے۔ اور اس طرح قربانی بھی اس کی ذات کے لیے کرو نہ کہ بتوں کے لیے۔ جو اللہ عزوجل نے آپ کو کرامت و خیر عطا فرمائی اس کا شکر کرتے ہوئے۔ اور تادیل کلام یہ ہے کہ جب ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کوثر عطا فرمایا یہ ہماری طرف سے آپ پر انعام اور آپ کے لیے باعث عزت و تعظیم ہے۔ لہٰذا خالص اپنے ربّ کی عبادت کیجئے اور تنہا اسی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ معلوم ہوا تمام اقوال میں سے مرجع قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد جنس نماز ہے اور نحر سے مراد قربانی کرنا ہے اور اس قول کو اکثرین نے پسند فرمایا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں نحر سے مراد قربانی کرنا ہے اور یہی قول زیادہ راجح ہے۔

صاحب تفسیر ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری اس آیۂ مقدسہ کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں۔ (اور یہ تفسیر، تفسیر طبری کے حاشیہ پر ہے)

وفـي قـولـه "لـربك" اشارة الىٰ وجوب الاضـحى مخالفة عبدة الاوثـان . ثـم اختـلـفـوا في الصلوٰة فالاكثرون علىٰ انها جنس الصلوٰة لا طلاق اللفظ .

فرماتے ہیں اللہ عزوجل کے فرمان ''لـــربك'' میں اس طرف اشارہ کہ قربانی واجب ہے جو بتوں کے پجاریوں کے مخالف ہے۔ کیونکہ وہ بتوں کے نام قربانی کرتے تھے۔ پھر علماء نے لفظ ''صلوٰۃ'' میں اختلاف کیا کہ اس کا معنیٰ کیا ہے تو اکثرین علمائے مفسرین کے نزدیک' بوجہ لفظ کے مطلق ہونے کے' اس سے مراد جنس صلوٰۃ ہے۔ یعنی تمام نمازیں خواہ وہ فرائض ہیں یا نوافل۔ اور اس معنیٰ کو صاحب تفسیر طبری نے ترجیح دی ہے۔ پھر فرماتے ہیں ان المشرکین کانت صلاتهم وقرابینهم للاصنام فامر صلی اللّٰہ علیه وسم بأن تکون صلاتهٗ وقربانه للّٰہ تعالٰی وکان النحر واجباً علٰی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال صلی اللّٰہ علیه وسلم ثلاث کتبن عَلَیَّ ولم تکتب علٰی امتی الضحٰی والاضحٰی رالوتر (تفسیر نیشاپوری جز 30 ص 180-179)

یعنی مشرکین کی نمازیں اور قربانیاں بتوں کے لیے تھیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ کی نماز اور قربانی صرف اور صرف اللہ عزوجل کے لیے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربانی واجب تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں مجھ پر فرض (واجب) کی گئی ہیں۔ ایک نماز چاشت، دوم قربانی کرنا، سوم وتر پڑھنا۔ اللہ عزوجل کے فرمان ''وَاتَّبِعُوْهُ'' میرے محبوب کی اتباع کرو تو جب آپ پر قربانی واجب ہے تو آپ کی امت پر بھی قربانی واجب ہے اور اتباع کی روح بھی یہی تقاضا کرتی ہے۔ معلوم ہوا اس آیۃ مقدسہ سے وجوب قربانی ثابت ہوتا ہے۔

عصر حذا کے مفسر سید قطب اپنی تفسیر ظلال القرآن میں لکھتے ہیں۔

وجّه الرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم الٰی شکر النعمة بحقها الاول ۔ حق الاخلاص و التجرد للّٰہ فی العبادة و فی الاتجاه فی الصلوٰة وفی ذبح النسك خالصاً للّٰہ ۔ (تفسیر ظلال القرآن ج 4 ص 3988)

یعنی اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمت آپ کے حق میں پہلے

بیان ہوچکی (یعنی کوثر) اس کے شکر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزوجل کی عبادت میں اخلاص و تجرد کا حق بھی یاد رکھیں۔ یعنی تمام چیزوں کو اپنے قلب اطہر سے دور کر کے صرف اور صرف اسی کی ذات کریمہ میں مشغول ہو کر اور دنیا و مافیھا سے یکسو ہو کر اور اخلاص سے اللہ عزوجل کی عبادت کریں، نماز پڑھیں اور قربانی کو خالص اللہ عزوجل کے لیے ذبح کریں۔

حضرت العلام ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی اپنی تفسیر "انوار التنزیل واسرار التاویل" میں اسی آیۃ مقدسہ کے ماتحت رقمطراز ہیں۔

فدم علٰی الصلوٰۃ خالصاً بوجہ اللہ خلاف الساھی عنھا المرائی فیھا شکراً لانعامہ فان الصلوٰۃ جامعۃ لاقسام الشکر " وَانْحَرْ" البدن التی ھی خیار اموال العرب و تصدق علٰی المحاویج وقد فسرت الصلوٰۃ بصلوٰۃ العید والنحر بالتضحیۃ ۔

(بیضاوی شریف ج دوم ص578)

فرماتے ہیں "فَصَلِّ لِرَبِّكَ " کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خالص اللہ عزوجل کی ذات کے لیے ہمیشہ نماز پڑھتے رہو بخلاف نماز سے غافل ہو جانے والے اور نماز میں دکھلاوا کرنے والے کے اور "وَانْحَرْ" کا یہ معنی کیا 'اونٹ کی قربانی کرو جو عرب میں سب سے بہتر مال ہے اور محتاجوں پر قربانی کا گوشت صدقہ کرو۔ اور "صلوٰۃ" کی نماز عید سے اور "نحر" کی قربانی دینے سے بھی تفسیر کی گئی ہے۔ معلوم ہوا نحر سے مراد قربانی کرنا ہے۔

حضرت علامہ شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر "درمنثور" میں فرماتے ہیں۔

(1) اخرج ابن جریر وابن المنذر عن ابن عباس رضی اللہ عنھما "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" قال الصلوٰۃ المکتوبۃ والذبح یوم الاضحٰی

ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا انہوں نے ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ'' کی تفسیر میں فرمایا ''فصل'' سے نماز فرض اور ''نحر'' سے قربانی کے دن قربانی کا جانور ذبح کرنا مراد ہے

(2) واخرج ابن جریر عن قتادہ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" قال صلوٰۃ الاضحٰی" والنحر" نحر البدن ۔

ابن جریر نے حضرت قتادہ بن دعامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ' سے مراد نماز عید الاضحیٰ اور نحر سے مراد اونٹ کا ذبح کرنا ہے۔

(3) واخرج ابن ابی حاتم عن سعیدبن جبیر "وَانْحَرْ" قال البدن ۔

ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا انہوں نے فرمایا ''وَانْحَرْ'' کا معنی ہے اونٹ کا ذبح کرنا۔ (تفسیر درمنثور ج سوم جز 6 ص 403)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ ''وَانْحَرْ'' کا معنی قربانی کرنا ہے جو وجوب قربانی کو ثابت کررہا ہے۔ تفسیر درمنثور کے حاشیہ پر کتاب تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس میں اس آیۃ کریمہ کے ماتحت فرمایا ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ" صلوٰۃ یوم النحر "وَانْحَرْ" البدن ۔ یعنی صلوٰۃ سے مراد قربانی کے دن نماز عید پڑھنا اور نحر سے مراد ہے اونٹ کی قربانی کرنا۔

صاحب تفسیر جمل حضرت علامہ شیخ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

قیل صل امر بکل صلوٰۃ فیدخل فیھا المکتوبات والنوافل ۔ وقال عکرمۃ عطاء وقتادۃ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ" صلوٰۃ العید یوم النحر "والنحر" نسکک وقولہ " وَانْحَرْ" امرمن النحر وھو فی الابل بمنزلۃ الذبح فی البقرو الغنم ۔

(تفسیر جمل ج 4 ص 593)

فرماتے ہیں لفظ ''صــــل '' اس میں ہر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اس میں فرائض و نوافل سب نماز میں داخل ہیں۔ حضرت عکرمہ، عطاء اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ '' کا معنی ہے قربانی کے دن نماز عید پڑھنا اور نحر کا معنی ہے قربانی کرنا۔ اللہ عزوجل کا فرمان ''وَانْحَرْ'' یہ نحر سے امر ہے اور اونٹ میں نحر گائے اور بکری کے ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔ معلوم ہوا نحر کا معنی قربانی کرنا ہی ہے۔

امام جاد اللہ محمود بن عمر زمخشری نے اپنی تفسیر ''انکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل '' میں نقل فرماتے ہیں۔

''والنحر'' نحر البدن ۔ وقیل صلٰوۃ العید والتضحیۃ وقیل ھی جنس الصلٰوۃ ۔ (تفسیر کشاف ج 4 ص 807)

فرماتے ہیں اللہ عزوجل کے فرمان ''وَانْحَرْ'' سے مراد اونٹ کا ذبح کرنا ہے اور بعض کے نزدیک ''فصل '' کا معنی ہے نماز عید اور نحر کا معنی ہے قربانی کرنا اور بعض کے نزدیک لفظ ''صل '' سے مراد جنس نماز ہے۔ خواہ وہ نماز فرض ہے یا نفل۔

''بحمدہ تعالیٰ'' میں نے پندرہ معتبر کتب تفاسیر سے علمائے مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اور جملہ آئمہ مفسرین نے اکثرین کے قول کو معتمد اور مرجع، اولیٰ اور افضل قرار دیا ہے۔ یعنی بہ نسبت دوسرے معانی' لفظ نحر کا استعمال قربانی میں زیادہ مشہور ہے۔ اس لیے کہ جو اللہ عزوجل کے کلام میں لفظ ''والـنـحـر '' آیا ہے اس کا محل اس معنی پر ہی واجب ہے۔ اور اکثرین کا کسی قول اعتماد اور اس قول کو دیگر اقوال پر ترجیح دینا اور اس قول کو بہ نسبت دیگر اقوال کے اولیٰ وافضل سمجھنا اس بات کی کالشمس الاظہر۔ واضح اور روشن دلیل ہے کہ یہ قول معتمد اور مرجع ہے۔ لہٰذا آئمہ مفسرین کی تصریحات بینات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ اس آیہ مقدسہ سے جن اصحاب نے ثبوت وجوب قربانی پر استدلال کیا ہے وہ حق ہے اور باصواب ہے اللہ عزوجل اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مختصر فلسفہ قربانی از مقالات کاظمی رحمتہ اللہ علیہ

ازافادات غزالی دوراں، بیہقی وقت' محدث کبیر، مفسر عظیم امام اہل سنت حضرت علامہ احمد سعید کاظمی نور اللہ ضریعہ وتغمد اللہ برحمۃ مرقدہ ۔

قربانی ملت ابراہیمی اور دین اسلام کا شعار عظیم ہے۔ اس اجمال کی تفصیل بڑی شرح وبسط کو چاہتی ہے مگر میں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا ''انشاء اللہ'' ہر مسلمان جانتا ہے کہ توحید اصل دین ہے۔ توحید کی ضد ہے شرک۔ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس ظلمت اور تاریکی کے دور میں پیدا ہوئے کسی سے مخفی نہیں۔ ملت ابراہیمی کی حقیقت کفر وشرک کی تاریکیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک خدا کے بجائے ہزاروں بلکہ لاکھوں خداؤں کی پوجا ہونے لگی تھی۔ پرستش اور بندگی کے جتنے طریقے اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتے تھے۔ وہ سب باطل خداؤں اور بتوں کے لیے مخصوص ہو چکے تھے۔ عبادت کی تمام صورتیں جو اللہ عزوجل کے شایان شان تھیں بتوں کے لیے اختیار کی جاتی تھیں۔ جن کا مختصر بیان یہ ہے کہ مشرکین اپنے معبودان باطلہ کا نام لے کر ان کی بزرگی اور بڑائی بیان کرتے تھے۔ اپنے بتوں کے لیے سجدہ کرتے تھے بتوں سے مدد مانگتے تھے۔ بتوں کو الہ جاننے کی وجہ سے ان کو جانداروں کی جان کا مالک سمجھتے تھے۔ اور اس وجہ سے ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔ بتوں کے نام پر دور، دور سے جانور بھیجے جاتے تھے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ مالی اور بدنی عبادتیں بتوں کے لیے مخصوص تھیں۔ مشرکین اپنے بتوں کی جو بدنی

عبادت کرتے تھے اس میں تین چیزیں بہت نمایاں ہوتی تھیں۔ (1) سجدہ، (2) دعائیں، (3) اپنی زبان سے ان کی بزرگی اور بڑائی بیان کرنا اور عبادت مالی میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں تھی وہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنا تھا۔ دین اسلام جس کی بنیاد خالص توحید پر تھی شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑے بغیر قائم نہیں ہوسکتا تھا۔ جس کی صورت یہی ہوسکتی تھی کہ عبادت مالی اور بدنی صرف اللہ عزوجل کے لیے خاص کردی جائے۔ اور اس خصوصیت کا نشان ہر فرد مسلم کے پیش نظر ہو۔ عام اس سے کہ وہ مسلمان مکہ میں ہو یا مدینہ میں۔ کسی شہر میں ہو یا کسی قریہ میں۔ توحید کا نشان اس کے سامنے ہونا چاہئے تاکہ مرد مسلم ہر قدم پر اسلام کے آثار و علامات اور علم توحید کے سایہ میں اپنے دین و ایمان کو لیے ہوئے اسلامی زندگی بسر کرسکے۔ بس اس حکمت بالغہ کے تحت ہر شہر و قریہ میں، مساجد اور ان میں پنجگانہ آذان اور نماز باجماعت مقرر کی گئی۔ جو عبادت بدنی کے تمام شعبوں پر حاوی اور متعدد شعائر دین کا مجموعہ ہے۔ اور اس حکمت کے مطابق مالی عبادت کا نمایاں پہلو (معبودوں کے نام پر جانور ذبح کرنا) بتوں سے ہٹا کر معبود برحق اللہ جل مجدہ کے لیے مخصوص کیا گیا۔ اور ایک شعار دین کی صورت میں اجتماعی عبادت کی شکل دے کر ہر ہر شہر و قریہ میں اس کو جاری کردیا گیا۔ چونکہ عبادت مالی اور بدنی ہونے میں دونوں شریک ہیں اس لیے جس طرح عبادت بدنی میں انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتیں عام کی گئیں کہ سنتیں اور نوافل اور وتر وغیرہ الگ الگ پڑھ لیتا ہے مگر عیدین، جمعہ اور جماعت سب مل کر ادا کرتے ہیں۔ بالکل اس طرح عبادت مالی کا حال ہے کہ ہر شخص جب بھی کوئی جانور ذبح کرے خواہ ذاتی ضروریات کے لیے ہو یا مذہبی حاجت کی بنا پر وہ اللہ کے نام پر ہی ذبح کرے۔ اگر ایام قربانی میں تمام امت مسلمہ اجتماعی صورت میں یہ عبادت بجالائے۔ جس طرح آذان، نماز باجماعت، جمعہ اور عیدین شعائر اللہ میں داخل ہیں اسی طرح قربانی بھی ہر قصبہ میں شعائر دین میں سے ہے۔ مروجہ قربانی شرک کی تباہی اور توحید کے دوام و بقا پر دلیل ہے۔ دوسروں لفظوں میں یوں کہیے کہ شرک کے مٹنے اور توحید کے قائم ہونے کی وجہ عظیم الشان یادگار ہے جو

ساڑھے تیرہ سو سال سے آج تک آ رہی ہے اور انشاءاللہ اس وقت تک رہے گی جب تک کہ خدا کی زمین پر ''لا الـہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' پڑھنے والا ایک شخص بھی قائم رہے گا۔ کوئی ایڑی چوٹی کا زور لگالے اس کے مٹانے سے دین کا یہ شعار مٹ نہیں سکتا۔

''یریدون لیطفؤا نور اللہ بأفواھھم واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون ۔''

بفضلہٖ تعالیٰ غزالی دوراں رحمتہ اللہ علیہ کا یہ ایمان افروز فلسفہ قربانی پڑھ کر ضرور آپ کے ایمان کو جلا ملے گی اور قلب مسرت و سرور سے شادماں ہوگا۔ اور روحانیت پروان چڑھے گی۔ اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ نبیک الکریم)

وجوب قربانی کے متعلق آئمہ کرام کا اختلاف

برادران اسلام! آپ نے اس سے قبل آئمہ مفسرین کے اقوال سماعت فرمائے کہ اللہ عزوجل کے فرمان ''وَانْحَرْ'' سے مراد قربانی کرنا ہے اور وَانْحَرْ نحر سے امر ہے اور امر عموماً وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لیے اکثر مفسرین کرام نے فرمایا اس آیۃ مقدسہ سے قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اکثرین نے لفظ ''وَانْحَرْ'' کے معنی قربانی کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا اس آیۃ مقدسہ سے وجوب قربانی کے ثبوت کا استدلال صحیح ہے۔

اب آپ کی خدمت میں آئمہ مذاہب کا قربانی کے متعلق اختلاف بمع دلائل پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے اس اختلاف پر جو بحث فرمائی وہ آپ کے پیش خدمت ہے۔ اس کو غور سے پڑھیں کیونکہ اس کا تعلق احکام وعبادات سے ہے۔ ہم اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں ہمیں یہ ضرور معلوم ہونا چاہیئے کہ احناف کے نزدیک قربانی کا

حکم کیا ہے اور اس کا علم ہر سنی بریلوی کو ہونا چاہئے کہیں یہ نہ ہو کہ ہم نادانستہ کسی اہل بدعت کے دام تزویر میں پھنس جائیں اور بدعقیدگی کا شکار ہو جائیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں قربانی کی صفت (حکم) میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ حضرت سعید بن سیتب، عطاء بن ابی رباح، علقمہ، اسود، شافعی اور ابوثور کے نزدیک قربانی واجب نہیں بلکہ مندوب ہے جس شخص نے قربانی دی اسے ثواب ملے گا اور جس نے قربانی نہ دی وہ گنہگار نہیں ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور ابوسعود بدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ لیث اور ربیعہ نے کہا ہمارے خیال میں غنی جو صاحب نصاب ہے اس کو قربانی کا ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قربانی کا ترک نہیں چاہئے اور اگر کسی نے بلا عذر قربانی ترک کی تو اس نے برا کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی سے حکایت ہے کہ شہریوں پر قربانی واجب ہے سوائے حجاج کرام کے۔ ابن منذر نے کہا محمد بن حسن شیبانی نے کہا ہر اس شخص پر جو شہر میں مقیم ہے جبکہ وہ غنی ہے قربانی واجب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی ایک روایت میں آزاد، مقیم، مسلمان جو غنی ہو قربانی واجب ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں ابن منذر کا امام محمد رضی اللہ عنہ کے تنہا قول کے تخصیص کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور ہمارے مذہب کی تحریر یہ ہے جو صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ قربانی ہر اس شخص پر جو آزاد، مقیم اور غنی ہے قربانی کے دن اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے واجب ہے۔ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ، امام محمد، زفر، حسن اور امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق وجوب کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں قربانی سنت ہے۔ امام طحاوی نے ذکر کیا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر قربانی واجب ہے اور امام ابو یوسف و محمد رضی اللہ عنہما کے قول پر سنت موکدہ۔ اور سنت ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے حضرت سعید بن میتب سے اور انہوں نے اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا' ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

"من رای هلال ذی الحجة منكم وأراد ان يضحی فليمسك عن شعره واظفاره" .

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ لیا اور وہ قربانی کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے جسم سے بال اور ناخن تراشنے سے باز رہے۔ امام عینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کو ارادہ کے ساتھ معلق کرنا اور اس کو ارادہ کے سپرد و حوالے کرنا وجوب کے منافی نہیں۔ اور محدث ابن جوزی نے "تحقیق" میں مذہب امام احمد رضی اللہ عنہ کا اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور وجوب کی وجہ وہ حدیث ہے جس کو ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن الاعرج سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا ."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو گنجائش ہو (یعنی غنی ہو) اور اس نے قربانی نہیں کی وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے تخریج کیا اور کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اور سوائے ترک واجب کے اس کی مثل وعید لاحق نہیں ہو سکتی۔ ابن حزم نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ انہوں نے کہا قربانی فرض ہے۔ (عمدۃ القاری ج 21 ص 144)

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمتہ الباری "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں۔

طیبی نے کہا قربانی کے دن جو جانور بہ نیت قربت ذبح کیا جائے اسے اضحیہ کہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم الاضحیٰ رکھا گیا ہے۔ امام راغب نے کہا وجہ تسمیہ اضحیہ شرع میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "من ذبح قبل صلاتنا هذه فليعد" جس نے نماز عید سے پہلے ذبح کیا اسے چاہئے دوبارہ قربانی کرے۔ اور قربانی اصل شرع میں بالاجماع مشروع ہے۔ اور اجماع سے قبل مشروعیت

کی اصل اللہ عزوجل کا فرمان ہے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ "یعنی نماز عید پڑھو اور قربانی کرو، اور یہ تمام مفسرین کا قول ہے۔ اور علماء نے قربانی کی صفت (حکم) میں اختلاف کیا ہے کیا قربانی سنت ہے یا واجب، امام مالک' شافعی (ان کی ایک روایت میں) احمد' امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کے صاحبین امام محمد و ابویوسف رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ قربانی سنت موکدہ ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جو لوگ شہروں میں مقیم ہیں ان پر قربانی واجب ہے جب وہ صاحب نصاب ہوں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" شرح صحیح بخاری" میں لکھا ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ قربانی سنت ہے جو بسند حسن مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما (سال دوسال) اس خوف کی بناء پر قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو واجب خیال نہ کرلیں۔ علامہ ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ وہ دونوں اہل وجوب میں سے نہیں تھے یعنی بوجہ عدم نصاب ان پر قربانی واجب نہ تھی اور ان کا یہ سبب عموم وجوب کے توہم میں واقع ہوگیا۔ اور جو چیز وجوب پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنے دس سال مدت قیام میں قربانی کو ترک نہیں فرمایا جیسا کہ ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی۔

"قال اقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحى ."

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور متواتر قربانی کرتے رہے۔ اور قربانی کے وجوب پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو بخاری اور مسلم نے حضرت جندب بن عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ روایت کیا۔ انہوں نے کہا۔

شهدت النبى صلى الله عليه وسلم يوم النحر فقال من ذبح قبل ان يصلى فليعد مكانها الاخرى ومن لم يذبح فليذبح . (متفق عليه)

میں قربانی کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا جس نے نماز عید پڑھنے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرلیا ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی دے اور جس نے قربانی نہیں کی۔ وہ قربانی کرے۔

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں شرع میں سوائے وجوب کے اعادہ کا امر معروف نہیں۔ اور اس کو مندوب پر حمل کرنا جیسا کہ حافظ عسقلانی نے کیا ہے یہ مردود ہے۔ اور وجوب کی مؤید وہ حدیث بھی ہے جسے ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا جس نے گنجائش پائی اور قربانی نہیں کی وہ ہماری عید گاہ کے ہرگز قریب نہ آئے۔ علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں حافظ عسقلانی کا یہ قول کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ یہ قول مدفوع ہے کیونکہ اس کی مثل موقوف۔ مرفوع کے حکم میں ہے۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج سوم ص 302)

شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

غنی پر وجوب اضحیہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا غنی کے حق میں قربانی سنت ہے اگر اس نے بلا عذر قربانی کا ترک کیا وہ گنہگار نہیں اور اس پر قضا نہیں۔ اور یہ قول حضرت ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، بلال، ابو مسعود بدری، سعید بن مسیّب، علقمہ، اسد، عطاء، امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف، اسحاق ابوثور، مزنی، ابن منذر اور داؤد وغیرہم رضی اللہ عنہم کا ہے۔

ربیعہ، اوزاعی، لیث اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ قربانی غنی پر واجب ہے۔ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے اور ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ منیٰ میں حاجی کے سوا غنی پر قربانی واجب ہے۔ اور محمد بن حسن شیبانی کا قول یہ ہے کہ جو شہروں میں مقیم ہیں ان پر قربانی واجب ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مشہور روایت میں وہ صرف اس شخص پر قربانی واجب کرتے ہیں جو مقیم ہو اور مالک نصاب ہو۔(نووی شرح مسلم ج دوم ص 153)

علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی المشہور "با بن ترکمانی" "الجوہر النقی" میں

علامہ بیہقی کی سنن کبریٰ میں ایک حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔ حضرت جندب بن عبداللہ بن سفیان نے کہا۔

شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم النحر يقول من ذبح قبل ان يصلى فليعد مكانها ومن لم يذبح فليذبح رواه البخارى فى الصحيح عن ادم، واخرجه مسلم من وجهين آخرين عن شعبة .

اس حدیث کا ترجمہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ قربانی سنت ہے ہم اس کے لزوم کو محبوب اور اس کے ترک کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

علامہ ماردینی فرماتے ہیں اس حدیث میں اور اس کے بعد والی احادیث جو امام بیہقی نے روایت کی ہیں ان میں جو قربانی کے اعادہ کا حکم ہے وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ امام بیہقی کے مدعیٰ کے خلاف ہے۔

پھر علامہ بیہقی نے امام شافعی سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر کہ وہ قربانی کا اعادہ کرے کیونکہ قربانی واجب ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعادہ کا حکم اس طرح ہو کہ جو قربانی کرنا چاہتا ہے وہ قربانی کرے کیونکہ وقت سے پہلے اس کی قربانی اس کے لیے کافی نہیں تاکہ اس کا ان لوگوں میں شمار ہو جنہوں نے قربانی کی ہے۔ اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ دلالت پائی ہے کہ قربانی واجب نہیں سنت ہے۔ پھر امام شافعی رضی اللہ عنہ نے حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا کہ جو قربانی کرنا چاہے وہ بال اور ناخن اتارنے سے باز رہے۔ اگر قربانی واجب ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرماتے "فلا یمس من شعرہ حتی یضحی" امام بیہقی نے فرمایا اس حدیث میں جو ثابت ہے۔ (یعنی صحیحین میں ہے)

"ان اوّل ما نبدأ به فى يومنا هذا ان نصلى ثم ترجع فننحر فمن يعمل ذالك فقد اصاب سنتنا ."

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن سب سے پہلے ہم نماز پڑھیں گے پھر واپس جاکر قربانیاں کریں گے جس نے یہ کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے قربانی سنت ہے۔

علامہ ماردینی رحمتہ اللہ علیہ نے ان اعتراضات کا جواب اس طرح دیا۔ (اول) امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعادہ کا حکم دینا کہ قربانی دوبارہ کرے یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی پر ہو جو قربانی کرنا چاہے۔ امام ماردینی فرماتے ہیں یہ احتمال غایت بعد میں ہے کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے لہٰذا کسی چیز کی تقدیر کی اس کی طرف ضرورت نہیں اور نہ ہی اس احتمال پر کلام میں درایت ہے۔ (دوم) حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہ جو قربانی کرنا چاہے۔ یہ فرمان سنت پر دلالت کرتا ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ نفی وجوب پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ارادہ جمیع فرائض کے لیے شرط ہے۔ اور واجبات میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ علماء کا قول ہے۔ ''من ارادالحج فليلب'' جو حج کرنا چاہئے وہ تلبیہ کہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''من أرادالجمعة فليغتسل'' جو جمعتہ المبارک کی نماز پڑھنا چاہے وہ غسل کرے۔ اور ''من ارادا الحج فليعجل'' جو حج کرنا چاہئے وہ جلدی کرے تو امام شافعی اور بیہقی کے قول کے مطابق حج کرنا اور جمعہ کی نماز پڑھنا سنت ہوا کیونکہ یہاں بھی حج اور جمعہ کو ارادہ کے ساتھ معلق کیا گیا ہے لہٰذا سنت ہوا۔[1] (فافهم وتدبر) (سوم) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''فقد اصاب سنتنا'' یعنی جس نے پہلے نماز عید ادا کی اور پھر قربانی کی اس نے ہماری سنت کو پالیا۔ علامہ ماردینی رحمتہ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں یہاں سنت سے مراد سیرت اور طریقہ ہے اور یہ واجب اور سنت کے درمیان قدر مشترک ہے یعنی کبھی سنت سے مراد سنت ہی ہوتی ہے اور کبھی سنت سے مراد واجب لیا جاتا ہے۔ (الجوہر النقی فی ذیل سنن الکبریٰ بیہقی ج 9 ص 263)

آپ نے ائمہ مذاہب اور علماء ربانیین کا صفت قربانی کے متعلق اختلاف سماعت فرمایا اور مذکورہ عبادات وتصریحات علماء کرام سے قربانی کے حکم کے متعلق چار اقوال نظر

آ ئے ہیں۔ (اول) قربانی واجب ہے۔ (دوم) قربانی فرض ہے۔ (سوم) قربانی سنت موکدہ ہے اور چہارم (قربانی سنت مستحب ہے۔)

اور ان جملہ اقوال میں سے امام ہمام حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول معتمد علیہ مفتی بہ، مرجع، اولیٰ اور افضل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہے کہ قربانی بشرائط واجب ہے اس کا منکر کافر نہیں اور تارک قربانی فاسق ہے۔

قربانی کے حکم میں ائمہ مذاہب کے درمیان اختلاف کی وضاحت کے بعد اب معتبر فتاویٰ اور کتب فقہ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول (قربانی واجب ہے) کی تائید میں دلائل قاطعہ پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمارا مذہب حق ہے۔ (وباللہ التوفیق)

صاحب فتاویٰ سراجیہ علامہ سراج الدین اوشی رحمتہ اللہ علیہ اور اسے سراج وھاج بھی کہا جاتا ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ابن مولیٰ جوی نے کہا میں نے ''اوش'' میں علی بن عثمانی بن محمد تیمی کے پاس اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے جس کے آخر میں یہ لفظ ہے کہ مصنف نے کہا میں ماہ محرم سوموار کے دن 569ھ میں اس فتاویٰ سے فارغ ہوا۔ وہ فرماتے ہیں۔

التضحیة واجبة وقال الشافعی سنة مستحبة وعند محمد و ابی یوسف سنة مؤکدة وانما تجب علی الغنی المسلم المقیم ذکراً کان او انثیٰ (فتاویٰ سراجیہ علیٰ الفتاویٰ قاضی خاں آخرین ص 109 حافظ کتب خانہ کوئٹہ) یعنی قربانی کرنا واجب ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا سنت مستحبہ ہے۔ اور امام محمد ابو یوسف رضی اللہ عنہما کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور قربانی صرف غنی پر واجب ہے جو مسلمان اور مقیم ہو خواہ وہ مذکر ہو یا مونث۔

صاحب فتاویٰ قاضی خاں امام فخر الدین بن منصور اوزجندی فرغانی حنفی متوفی 592ھ فرماتے ہیں۔

اما صفتها فهو واجبة فی ظاهر الروایة علی الرجل والمرأة الموسر المقیم فی الامصار دون المسافر و عن ابی یوسف انها سنة وهو احد قول الشافعی وفی احد قولیه تطوع و روی ابن زیاد عن ابی حنیفة و ابن رستم عن محمد انها فریضة ۔

(فتاویٰ قاضی خاں آخرین ص 328)

قربانی کی صفت (حکم) اور یہ ظاہر روایت میں مرد اور عورت جو غنی ہو اور شہروں میں مقیم سوائے مسافر کے واجب ہے۔ اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک سنت اور یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی ایک قول ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے مطابق یہ مستحب ہے۔ ابن زیاد نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ابن رستم نے امام محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ قربانی فرض ہے۔

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ شیخ طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری متوفی 542ھ فرماتے ہیں۔

اما الاول وفی نسخة الامام السرخسی الا ضیحة واجبة وذکر الطحاوی ان هذا قول ابی حنیفة رضی اللہ عنه واما عندهما فهو سنة وفی نظم الزندوسی الاضحیة احب الی من التصدق بمثل قیمتها وفی الموسر واجب علیه فی ظاهر الاصول ۔ (خلاصة الفتاویٰ ج دوم ص 505)

امام سرخسی کے نسخہ میں ہے کہ قربانی واجب ہے۔ امام طحاوی نے ذکر کیا کہ یہ قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے لیکن صاحبین امام محمد ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔ نظم زندوسی میں ہے کہ قربانی کی قیمت کے برابر صدقہ کرنا اس سے مجھے زیادہ محبوب قربانی کرنا ہے۔ اور موسر میں ہے کہ ظاہر اصول میں اس پر قربانی کرنا واجب ہے۔

صاحب فتاویٰ شامیہ شیخ محمد امین المشہور بابن عابدین ردّالمحتار علی الدر مختار میں

فرماتے ہیں۔

امام مصکفی رحمۃ اللہ علیہ صاحب درمختار کے اس قول "فتجب علٰی حر مسلم، مقیم، مؤسر" کے ماتحت لکھتے ہیں: قوله التضحيه اى أراقة الدم من النعم عملا لا اعتقاداً ۔ اعلم ان الفرض ماثبت بدليل قطعي لاشبهة فيه كالايمان والاركان الاربعة وحكمه اللزوم علمًا اى حصول العلم القطعي ثبوته وتصديقا بالقلب اى لزوم حقيته وعملاً با البدن حتى يكفر جاهده ويفسق تاركه بلا عذر والواجب ما ثبت بدليل فيه شبهة كصدقة الفطر والاضحية و حكمه اللزوم عملاً كالفرض لا على على اليقين للشبهة حق لا يكفر جاحده وليفسق تاركه بلا تاويل كما هو مبسوط في كتب الاصول ۔ (ردالمحتار ج5 ص220)

یعنی علامہ مصکفی کا یہ قول کہ قربانی یعنی خون کا بہانا ان چوپاؤں میں سے جن کا قربانی کرنا جائز ہے یہ واجب عملی ہے اعتقادی نہیں۔ علامہ ابن العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے مخاطب جان لے کہ فرض وہ ہے جو دلیل قطعی (جس میں شبہ نہ ہو) سے ثابت ہو جیسے ایمان اور ارکان اربعہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ۔ اس کا حکم علماً لازم پکڑنا ہے یعنی اس کا ثبوت علم قطعی سے حاصل ہوا ہو۔ اور دل سے تصدیق یعنی اس کے حق ہونے کو اعتقاداً اور بدن سے عملاً اس کو پکڑنا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور بلا عذر اس کا تارک فاسق بن جاتا ہے۔ اور واجب وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو۔ جیسے صدقہ فطر اور قربانی اور اس کا حکم فرض کی مثل عملاً لازم پکڑنا ہے نہ علماً کہ شبہ کی بنا پر وہ علی الیقین نہیں۔ حتیٰ کہ اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا اور بلا تاویل اس کا تارک فاسق ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ کتب اصول میں مبسوط ہے۔ اس کے بعد حضرت علامہ ابن العابدین ارقام فرماتے ہیں۔ واجب کئی مراتب پر ہے۔ جیسا قدوری نے کہا اور بعض واجب بعض سے موکد ہے۔ سجدہ تلاوت کا

وجوب صدقہ فطر کے وجوب سے موکد ہے اور صدقہ فطر کا وجوب قربانی کے وجوب سے موکد ہے۔ اور یہ قوت میں ادلہ کے تفاوت کے اعتبار سے ہے۔ تلویح میں مذکور ہے کہ فرض کا استعمال کبھی تو دلیل ظنی سے ثابت ہو جاتا ہے اور جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس پر واجب کا استعمال بھی ہوتا ہے جیسا کہ علماء کا قول ''وتر فرض ہے'' اور اس کی مثل اس کو فرض عملی سے موسوم کرتے ہیں۔ اور علماء کا یہ قول کہ زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی مثل۔ تو لفظ واجب فرض علمی اور عملی پر واقع ہوتا ہے جیسے صلوٰۃ فجر، اور ظنی پر بھی جو عمل میں فرض کی قوت میں ہے جیسے وتر اور کبھی ایسے ظنی پر جو عمل میں فرض سے کم ہے اور سنت سے اوپر ہو جیسے سورہ فاتحہ کی تعیین، حتیٰ کہ ان کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قربانی واجب عملی ہے علمی نہیں، اس لیے قربانی کا انکار کرنے والا کافر نہیں اور بلا تاویل اس کا تارک فاسق ہے معلوم ہوا کہ قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ معتمد علیہ اور مفتی بہ ہے کہ قربانی بشرائط واجب ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ جب تو نے یہ جان لیا اور تیرے سے ظاہر ہو گیا کہ فرض اور واجب لزوم عمل میں مشترک ہیں۔ اگرچہ مراتب لزوم متفاوت ہیں۔ جیسے کہ مراتب وجوب مختلف ہیں۔ اور ان دونوں میں علی سبیل الفرضیت لزوم اعتقاد میں اختلاف ہے۔ اور اس لیے واجب کو فرض عملی سے موسوم کیا ہے اور جب تجھے معلوم ہو گیا ان دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے تو شارح علیہ الرحمہ یعنی امام مصکفی کا یہ قول ''عملا لا اعتقاداً'' فرض قطعی سے احتراز کے لیے ہے۔ تو اس نے فائدہ یہ دیا کہ اس سے مراد واجب ظنی ہے جیسا کہ وتر وغیرہ۔ نہ کہ قطعی جو فرض ہے عملاً اور علماً۔ کیونکہ اس کا منکر کافر ہے اور واجب ظنی کا منکر کافر نہیں کیونکہ اس کے ثبوت میں شبہ ہے۔ (واللہ و رسولہ اعلم)

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

اما صفة التضحيه فالتضحية نوعان واجب وتطوع ۔ والواجب منها انواع ۔ (فتاویٰ عالمگیری ج 5 ص 111)

قربانی کی صفت اور قربانی کرنا دو قسم پر ہے ایک واجب اور ایک نفلی۔ اور واجب کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ جو غنی اور فقیر دونوں پر واجب ہے۔ اور ایک قسم یہ ہے کہ فقیر پر واجب ہے غنی پر نہیں۔ اور ایک قسم یہ ہے کہ غنی پر واجب ہے فقیر پر نہیں۔ قسم اوّل کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں فقیر و غنی نے قربانی کی منت مانی کہ اللہ عزوجل کے لیے مجھ پر بکری یا گائے کی قربانی کرنا ہے یا یوں کہے کہ اس بکری یا گائے کی قربانی کرنی ہے اس صورت میں قربانی دونوں پر واجب ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود اس کو اپنے لیے واجب کیا ہے۔ دوسری قسم کی صورت یہ ہے کہ فقیر نے قربانی دینے کے لیے جانور خریدا۔ فقیر صرف قربانی کا جانور خریدنے سے وجوب قربانی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن غنی کے لیے قربانی جانور صرف خریدنے سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ تیسری قسم کی صورت یہ ہے کہ قربانی کا واجب ہونا نہ خریدنے اور نہ منت ماننے سے ہے بلکہ جو زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو عطا کی ہے اس کے شکریہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرنے کی خاطر جو قربانی واجب ہے وہ صرف غنی پر واجب ہے۔

اور نفلی قربانی مسافر اور فقیر کی قربانی ہے جس سے قربانی کرنے کی منت بھی نہیں پائی گئی۔ اور سبب وجوب اور اس کی شرط کے نہ ہونے کے سبب اس نے قربانی خریدی بھی نہیں تو ایسی صورت میں اس کی قربانی نفلی ہے۔

صاحب جوھرہ نیرہ الامام ابوبکر بن علی المعروف باالحدادی عبادی لکھتے ہیں۔

الاضحية واجبة اى التضحية لان الوجوب من صفات الفعل عملاً لا اعتقاداً حتى لا يكفر جاحدها ۔(جوھرہ نیرہ ج دوم ص 251)

قربانی واجب ہے یعنی قربانی کرنا واجب ہے کیونکہ وجوب صفات فعل میں سے ہے یعنی قربانی کرنا واجب عملی ہے نہ کہ واجب اعتقادی (یعنی علمی) حتیٰ کہ اس کا منکر کافر نہیں۔

محمود بن الیاس رومی نے نقایہ مختصر الوقایہ للشیخ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود حنفی کی

شرح، شرح الیاس میں نقل فرمایا۔

وهي واجبة على كل مسلم حرمقيم موسرفي يوم الاضحى عند ابي حنيفة و محمد و زفر وحسن وابي يوسف في رواية و عن ابي يوسف في الجامع انّها سنة وهو قول الشافعي و ذكر الطحاوى وانها عند ابوحنيفه واجبة و عند ابي يوسف سنة مؤكدة وهكذا ذكر بعض المشائخ الاختلاف . ولا صح انها واجبة عند اصحابنا . (شرح الیاس ج دوم ص 162)

فرماتے ہیں قربانی ہر مسلمان، آزاد، مقیم اور غنی پر عیدالاضحیٰ کے دن امام ابوحنیفہ، امام محمد وزفر اور حسن و ابی یوسف رضی اللہ عنہم کی ایک روایت میں واجب ہے اور حضرت ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی ''جامع'' میں روایت کے مطابق سنت ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے کہ قربانی سنت مستحبہ ہے۔ امام طحاوی نے ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قربانی واجب ہے اور حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک سنت موکدہ اور بعض مشائخ نے اس طرح احتلاف ذکر کیا ہے اور اصح قول یہی ہے کہ قربانی ہمارے اصحاب کے نزدیک واجب ہے۔ معلوم ہوا تمام اقوال میں سے قول وجوب اصح ہے۔

صاحب ''بداية المجتهد في نهاية المقتصد'' امام احمد بن رشد قرطبی اندلسی المشہور ''بابن رشد الحفید'' متوفی 595ھ لکھتے ہیں۔

قال ابوحنيفة الضحيه واجبة على المقيمين في الامصار الموسرين . ولا تجب على المسافرين . وخالفه صاحباه ابويوسف و محمد، فقال انها ليست بواجبة وروى عن مالك مثل قول ابى حنيفه، وسبب اختلافهم شيئان . احدهما هل فعله صلى الله عليه وسلم في ذالك محمول على الوجوب او على الندب و ذالك انه لم يترك الضحيه قط فيما روى عنه .

(بدایۃ المجتہد ج اوّل ص 314)

فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا قربانی شہروں میں مقیم اغنیاء پر واجب ہے اور مسافروں پر واجب نہیں۔ اور آپ کے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمود رضی اللہ عنہما نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے انہوں نے کہا قربانی واجب نہیں۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی مثل روایت ہے کہ قربانی واجب ہے۔ لکھتے ہیں ائمہ کے اختلاف کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کیا اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے جو وجوب یا مندوب پر محمول ہو۔ اور یہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی قربانی کو ترک نہیں فرمایا اس حدیث میں جو آپ سے مروی ہے۔ اور وہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے سفر میں بھی قربانی کو ترک نہیں فرمایا اور یہ وجوب کی دلیل ہے۔ اور دوسرا سبب مفہوم احادیث میں ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں۔ ''وکل حدیث لیس بوارد فی الغرض الذی یحتج فیه به فالاحتجاج به ضعیف '' یعنی ہر حدیث اس غرض میں وارد نہیں کہ اس میں اس کے ساتھ حجت قائم کی جائے اور اس کے ساتھ دلیل پکڑنا ضعیف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی بھی قربانی ترک نہ کرنا جو وجوب کی دلیل ہے اس کے سوا جملہ احادیث سے احتجاج ضعیف ہے۔ یعنی دلیل کے لیے آپ کا استمراری فعل ہی کافی ووافی ہے۔

صاحب ''مجمع الا نهر فی شرح ملتقی الأبحر '' عبداللہ بن شیخ محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی ارقام فرماتے ہیں۔

هی واجبة وجه الوجوب قوله علیه السلام من وجد سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا هذا وعید یلحق بترك الواجب وجه السنة قوله صلی الله علیه وسلم من اراد ان یضحی منکم شاة فلایاخذ من شعره واظفاره شیئاً اذا لتعلیق بالارادة ینافی الوجوب لکن من الارادة القصد الذی هو ضد السهو لا التخییر لا نه بین الاداء والترك فکانه صرح به وقال من قصد منهم ان

یضحی وھذالایدل علی نفی الوجوب فصار ھٰذا نظیر قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من اراد منکم الجمعۃ فلیغتسل لم یرد التخییر ھناك فکذا ھنا ۔ (مجمع الانھر ج دوم ص 516)

فرماتے ہیں قربانی واجب ہے اور وجوب کی وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تم میں سے جس نے بکری قربانی دینے کا ارادہ کیا وہ اپنے بالوں اور ناخنوں سے کچھ بھی نہ پکڑے یعنی نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن ترشوائے۔ اس جگہ اس کا قربانی کرنا ارادہ کے ساتھ معلق ہے جو وجوب کے منافی ہے۔ ''فرماتے ہیں'' لیکن ارادہ سے مراد وہ قصد ہے جو سھو کی ضد ہے نہ کہ تخییر کیونکہ وہ ادا اور ترک کے درمیان ہے یعنی خواہ وہ کرے یا نہ کرے گویا آپ نے تصریح فرمائی کہ ان میں سے جس نے قربانی کرنے کا ارادہ کیا اور یہ نفی وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مثل ہوگیا۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو کوئی جمعہ پڑھنے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ غسل کرے۔ یہاں آپ نے تخییر کا ارادہ نہیں فرمایا اور اس جگہ بھی اس طرح ہے۔

صاحب ''المنتقی فی شرح الملتقی '' علامہ علاؤ الدین حصفکی صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

ھی واجبۃ علی الصحیح عملا لا اعتقاداً

یعنی قربانی صحیح قول کے مطابق واجب عملی ہے نہ کہ اعتقادی۔ اس کے متعلق مفصل بحث فتاویٰ شامیہ کے ماتحت مذکور ہے ''المنتقٰی علی مجمع الانھر '' (ج دوم ص 516)

امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی اپنی کتاب ''جامع الرموز'' میں ارقام فرماتے ہیں:

ویویدہ وصفھم باالوجوب فی ظاھر الروایۃ وعن ابی یوسف رحمتہ اللہ انھا سنۃ وعن الطرفین انھا فریضۃ کما قال قاضیخان و ذکر الطحاوی انھا واجبۃ عندہ سنۃ عندھما وھو اختیار الامام رضی الدین

النیشابوری کما فی الاختیار والصحیح انھا واجبة کما فی الضمرات الا ان وجوبھا دون کفارة الیمین وقد سبق ان وجوبھا دون وجوب صدقة الفطر کمافی الذخیرة

فرماتے ہیں۔(وجہ ثانی یعنی اضحیة بمعنی تضحیة)جوعلماء کرام نے قربانی کی صفت ظاہر روایت میں وجوب کے ساتھ بیان کی یہ اس معنی کی تائید کرتی ہے اور امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ قربانی سنت ہے اور طرفین یعنی امام ابوحنیفہ اور محمد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قربانی فرض ہے جیسا کہ ''فتاویٰ قاضیخان'' میں ہے۔طحاوی نے ذکر کیا قربانی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت اور یہ امام رضی الدین نیشاپوری کا اختیار ہے جیسا کہ ''اختیار'' میں ہے۔اور صحیح یہی ہے کہ قربانی واجب ہے جیسا کہ ''مضمرات'' میں ہے اور قربانی کا وجوب یا کفارہ یمین کا وجوب، وجوب صدقہ فطر سے کم ہے جیسا کہ ''ذخیرہ'' میں ہے۔ علامہ داماد افندی کی تصریح سے صاف ظاہر و باہر ہے کہ تمام اقوال میں سے یہ قول صحیح ہے کہ قربانی واجب ہے۔

صاحب ''البحر الرائق شرح کنز الدقائق'' علامہ زین الدین نجیم حنفی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یعنی صفتھا انھا واجبة ۔ دلیل الوجوب قوله صلی الله علیه وسلم من وجد سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا رواه احمد وابن ماجه ومثل ھذا الوعید لا یلحق بترك غیر الواجب ولا نه علیه الصلوٰة والسلام امر باعادتھا من قوله من ضحی قبل الصلوٰة فلیعد الاضحیة ۔ وانما لا تجب علی المسافر لان اداء ھا مختص باسباب تشق علی المسافر وتفوت بمعنی الوقت ولا یجب علیه شئ لدفع الحرج عنه بخلاف الزکاة و صدقة الفطر لانھما لا یفرقان بمعنی الزمان فلا یخرج ۔ (بحرالرائق ج8ص173)

یعنی قربانی کی صفت واجب ہے اور وجوب کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے گنجائش پائی یعنی غنی ہے اور قربانی نہیں کی وہ ہرگز ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے اور اس لیے بھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے نماز عید سے قبل قربانی کی اس کو قربانی کے اعادہ کا حکم فرمایا اور یہ حکم اعادہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب بحر الرائق ایک اعتراض ''کہ اگر مقیم پر قربانی واجب ہوتی تو زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی مثل مسافر پر بھی قربانی واجب ہوتی کیونکہ دو دونوں عبادت مالیہ کے اعتبار سے مختلف نہیں یعنی جس طرح مسافر پر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب ہے جو کہ عبادت مالیہ ہے اس طرح قربانی بھی مسافر پر واجب ہونی چاہئے کیونکہ یہ بھی عبادت مالیہ ہے'' کے جواب میں فرماتے ہیں مسافر پر قربانی اس لیے واجب نہیں کہ قربانی کا ادا کرنا اسباب کے ساتھ مختص ہے جو مسافر پر باعث مشقت ہیں۔ اور وقت کے گزر جانے سے وہ قربانی فوت ہو جائے گی۔ لہٰذا اس سے دفع حرج کے لیے اس پر کوئی چیز واجب نہیں مثل جمعہ کے۔ بخلاف زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے کیونکہ یہ دونوں وقت کے گزر جانے کے سبب فوت نہیں ہوتے۔ لہٰذا وہ وجوب سے نہیں نکلے گا۔ معلوم ہوا قربانی واجب ہے اور یہی معتمد علیہ اور مفتی بہ قول ہے۔

صاحب ''فتح القدیر'' شیخ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

قولہ ووجه الوجوب قوله عليه الصلوٰة والسلام من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا و مثل هذا لوعيد لايلحق بترك غير الواجب (فتح القدير ج 8ص 424)

یہ ہدایہ کی عبارت ہے کہ قربانی کے وجوب کی وجہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے گنجائش پائی اور قربانی نہیں کی وہ ہرگز ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ اس طرح کی وعید صرف ترک واجب پر ہی لاحق ہوتی ہے۔ شیخ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس پر اعتراض ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت کو ترک کیا اسے میری شفاعت نہیں پہنچے گی۔ اور یہ بھی وعید ہے

جیسے اس حدیث میں وعید ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ اعتقاداً ترک پر محمول ہے یا اصلاً ترک پر۔ کیونکہ اصلاً سنت کا ترک حرام ہے اس وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ مقاتلہ واجب ہے جنہوں نے اذان ترک کی اور جماعت کرائی۔ اور غیر حرام میں مقاتلہ نہیں ہے۔ اگر چہ آذان سنت ہے کیونکہ احیاء سنت واجب ہے۔ اس طرح عنایہ اور دیگر کتب میں ہے۔ اس کے بعد صاحب عنایہ نے قربانی کے وجوب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا یہ وجوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بھی معارض ہے آپ نے فرمایا مجھ پر قربانی فرض کی گئی ہے اور تم پر فرض نہیں کی گئی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بھی معارض ہے کہ آپ نے فرمایا قربانی کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ اور اس حدیث کے بھی معارض ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سال اور دو سال اس خوف کی وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو واجب خیال نہ کرلیں۔ یعنی قربانی کے وجوب پر یہ تین اعتراض ہیں امام کمال الدین پہلے اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مکتوبہ بمعنی فرض ہے اور ہم کہتے ہیں قربانی فرض نہیں یہ واجب ہے۔ اور دوسرے اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''ضحوا'' امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور جائز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''فانھا سنۃ ابیکم'' یعنی یہ قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے کو دین میں طریقہ سلوکہ پر محل کیا جائے اور یہ واجب بھی عام ہے لہٰذا ہماری جانب (یعنی قربانی واجب ہے) کا بھی تعین ہوگیا۔ اور تیسرے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ وہ دونوں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما تنگی کی حالت میں قربانی نہیں دیتے تھے۔ اس خوف سے کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کرلیں کہ تنگ دستوں پر بھی قربانی واجب ہے۔ اور صاحب کافی نے دوسرے اعتراض کا جواب اس طرح ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''ضحوا'' یہ ہمارے ثبوت کی دلیل ہے کیونکہ یہ امر ہے اور امر وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔ اور آپ کا یہ فرمان ''فانھا سنۃ ابیکم'' یہ

وجوب کی نفی نہیں کرتا کیونکہ سنت دین میں ایک طریقہ ہے واجب ہو خواہ غیر واجب۔

صاحب ''کفایہ علی الہدایہ'' مولانا جلال الدین خوارزمی ارقام فرماتے ہیں۔

قوله والمراد بالارادة ۔(کفایہ علی الھدایہ ج8 ص427)

یعنی صاحب ھدایہ کا یہ قول کہ ارادہ سے مراد۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا اور قربانی کو سنت کہنے والوں نے اس کو دلیل بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو کوئی قربانی کرنے کا ارادہ کرلے وہ نہ اپنے بال کٹوائے اور نہ ناخن ترشوائے۔ وہ کہتے ہیں قربانی کرنے کا ارادہ کے ساتھ معلق ہونا اور اس کو اس کے ارادہ کے سپرد کردینا خواہ وہ قربانی کرے خواہ نہ کرے یہ وجوب کے منافی ہے۔ صاحب کفایہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ارادہ سے مراد وہ قصد ہے جو سھو کی ضد ہے نہ کہ بمعنی تخییر کیونکہ وہ بالاجماع مخیّر ہے۔ اور ارادہ بمعنی قصد ہے جو سھو کی ضد ہے یہ وجوب کے منافی نہیں اس کا معنی اس طرح ہے کہ جس نے اس قربانی کا قصد کیا جو واجب ہے وہ قربانی کرنے تک نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن ترشوائے۔ اور یہ اس قول کی مثل ہے کہ جو تم میں سے جمعہ جو واجب ہے پڑھنے کا قصد کرے اسے چاہئے کہ وہ غسل کرے۔ معلوم ہوا یہ حدیث مبارکہ ان ائمہ کرام جو قربانی کو سنت کہتے ہیں ان کے لیے دلیل نہیں بلکہ قربانی کو واجب کہنے والوں کے لیے دلیل ہے۔ جملہ عبارت کا ماحاصل یہی ہے کہ قربانی واجب ہے سنت نہیں۔

آخر میں علی بن محمد شوکانی صاحب ''نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار'' کا قربانی کے وجوب کے متعلق ایک عمدہ تحقیق پیش خدمت ہے۔

واستدل من قال بالوجوب بقول اللہ تعالٰی ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ'' ولا مر للوجوب (نیل الاوطار ج5 ص127)

قاضی شوکانی نے اس سے قبل عدم وجوب کے قائلین کی ادلہ نقل کیں ان میں وہ تمام احادیث ہیں جن کو عدم وجوب پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں قاضی شوکانی نے آخر میں کہا ''ولا حجة فی شیٔ من ذالك '' یعنی ان میں کچھ حجت نہیں۔ اس کے بعد کہا

جس نے کہا قربانی واجب ہے اس نے اللہ عزوجل کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ اور امر وجوب کے لیے ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے ربّ کریم کا قربانی کو اپنے لیے مخصوص کرنا مراد ہے نہ کہ بتوں کے لیے۔ اور امر اس کی طرف متوجہ ہے کیونکہ یہ وہی قید ہے جس کی طرف کلام متوجہ ہے۔ اور اللہ عزوجل کا نماز اور قربانی کو خاص کرنے کے وجوب میں شک نہیں اور انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس نے گنجائش پائی اور قربانی نہ کی وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس واجب کا ترک کیا ہے گویا کہ اس واجب کے ترک کے ساتھ تقرب میں کوئی فائدہ نہیں۔ ابن حجر نے فتح میں کہا یہ ایجاب میں صریح نہیں۔ اور انہوں نے حدیث محنف بن سلیم سے بھی استدلال کیا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں فرمایا اے لوگو ہر اہل بیت پر ہر سال قربانی ہے۔ اس کی ابوداؤد، احمد ابن ماجہ، ترمذی نے تخریج کی اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے نماز سے قبل ذبح کیا وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے اور جس نے ہماری نماز پڑھنے تک قربانی نہیں کی وہ اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ قربانی ذبح کرے اور یہ حدیث جندب بن سفیان بجلی سے متفق علیہ ہے۔ اور جو حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز پڑھنے سے قبل قربانی ذبح کی ہے وہ دوبارہ کرے۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں امر وجوب میں ظاہر ہے اور جس نے قربانی کے وجوب کے بعد کچھ کہا ہے (یعنی سنت وغیرہ) وہ کوئی ایسی حدیث نہیں لائے جو وجوب کے صرف (یعنی پھرنے) کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جیسا کہ تو نے پہچان لیا۔ ہاں حدیث ام سلمہ ہے جو صرف کی صالح ہے لقولہ ''وأراد احدکم ان یضحی'' کیونکہ قربانی کا امر ارادہ کی طرف تفویض کرنا اس سے عدم وجوب سمجھا جاتا ہے۔ قاضی شوکانی کے کلام کا ماحاصل

یہ ہے کہ قائلین وجوب کے استدلال قوی ہیں اور عدم وجوب کے قائلین کے استدلال ضعیف ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول تمام اقوال سے اصح ہے اور یہی قول واجب عمل ہے۔ اور اسی قول پر عمل ہو رہا ہے۔

اور اکثرین کے نزدیک یہی قول معمول بہ ہے۔ اللہ عزوجل بوسیلہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر قائم و دائم رکھے'' آمین''

بفضلہٖ تعالیٰ بندہ ناچیز وحقیر نے تقریباً پندرہ معتبر کتب کے حوالہ جات بمعہ اصل عبارات رقم کئے ہیں جن سے چہرہ وجوب سے غبار اٹھ جانے کے بعد وجوب صاف اور شفاف نظر آ رہا ہے۔ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اور مذہب حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حقانیت وصداقت اور تمام مذاہب میں سے اصح مذہب ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بحمدہ تعالیٰ آج بھی اس مذہب پر اکثرین کا عمل ہے اور قیامت تک اکثرین اس مذہب پر عمل کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد اب بندہ ناچیز احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء سے چالیس احادیث مبارکہ یعنی ''الاربعین فی الاضحیۃ'' آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور یہ احادیث فضائل واحکام قربانی پر مشتمل ہوں گی۔ کسی چیز کے فضائل درحقیقت اس چیز کی طرف رغبت دلانے اور اس کے کرنے پر برانگیختہ کرتے ہیں یوں سمجھئے کہ فضائل قربانی احکام قربانی میں رغبت کے لیے ہیں اور احکام قربانی بھی کسی مسئلہ یا حکم کے نفس فضیلت وافضلیت کے عملی اظہار کا ذریعہ وواسطہ ہیں۔ گویا کہ فضائل اور احکام دونوں لازم وملزوم ہیں۔ فضائل کا اپنی جگہ ایک مقام مرتبہ ہے اور احکام کا اپنی جگہ ایک مرتبہ ومقام ہے۔ اس لیے میں قربانی کے متعلق جو احادیث نقل کروں گا۔ ان میں سے بعض کا تعلق احکام سے ہوگا اور بعض کا تعلق فضائل سے اور میں یہ بھی کوشش کروں گا کہ جو احادیث احکام کے متعلق ہیں اور ان سے جو احکام ائمہ مذاہب نے مستنبط فرمائے ہیں ان کو بھی بیان کروں۔ گویا کہ وہ احکام احادیث کی تفسیر ہوں گے۔ اور احادیث مبارکہ اصل متن

کے ساتھ نقل کی جائیں گی اور جن ائمہ محدثین نے ان کی تخریج فرمائی ان کے اسماء گرامی بمعہ کتب اور حوالہ پیش کیے جائیں گے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جو حدیث مبارکہ مختلف الاسناد تخریج کی جاتی ہے وہ ایک حدیث شمار نہیں ہوتی بلکہ اختلاف اسناد کے اعتبار سے اس حدیث کو شمار کیا جاتا ہے۔ کبھی تو متن حدیث بلا اختلاف الفاظ ایک ہی ہوتا ہے اور کبھی متن کے الفاظ میں تقدم و تاخر ہوتا ہے اور کبھی متن کے الفاظ میں تغیر و تبدل ہوتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے وہ مختلف نہیں ہوتا معنی دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے۔

یہ میدان نہایت ہی خارزار ہے اس سے وہی شخص سلامتی سے گزر سکتا ہے جو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو اور کلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کرنے والا ہو۔ اس لیے بعض صحابہ کرام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے سے احتراز کرتے تھے کیونکہ یہ مقام احتیاط ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری طرف جھوٹ کی نسبت کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اللہ عزوجل ہم سب کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمائے۔

(آمین بجاه نبيك الكريم و اله وسلم)

"الاربعين فی الاضحیة"

یعنی چالیس احادیث مقدسہ فضائل واحکام قربانی کے متعلق

۱ - عن البراء رضی الله عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم ان اوّل مانبدا به فی یومنا هذا نصلی ثم نرجع فنحر من فعله فقد اصاب السنة و من ذبح قبل فانما هو لحم قدمه لا هله لیس من النسك فی شئ فقال ابوبردة بن دینار و قدذبح فقال عندی جذعة فقال اذبحها و لن تجزی عن احد بعدك قال مطرف عن عامر عن البراء قال النبی صلی الله علیه وسلم من ذبح بعد الصلوٰة ثم نسکه واصاب سنة المسلمین ۔

(مسلم شریف ج دوم ص 154، عمدۃ القاری ج 21 ص 144)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج عید کے دن جو کام ہم سب سے پہلے کریں گے وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں گے اور اس کے بعد قربانی کریں گے۔ جس نے اس طرح کیا اس نے سنت کو پالیا۔ جس نے نماز سے قبل ذبح کیا وہ گوشت ہے جو اس نے نماز عید سے پہلے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کیا ہے۔ اس عبادت سے اس کا کوئی تعلق نہیں (یعنی اس میں اس کے لیے ثواب نہیں) حضرت ابو بردہ بن دینار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے جو نماز عید سے قبل ذبح کر چکے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بکری کا چھ ماہ کا بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا تم اسے ذبح کرلو اور تمہارے علاوہ کسی اور کو چھ ماہ کا بچہ کفایت نہیں کرے گا۔ مطرف بن طریف حارثی نے عامر شعبی سے اور انہوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جس نے نماز عید کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہے اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔

امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں قربانی کا وقت یہ ہے کہ چاہیے نماز عید باجماعت پڑھنے کے بعد ذبح کرے بالاجماع اس کی قربانی جائز ہے۔ ابن منذر نے کہا علماء کا اجماع ہے کہ قربانی کے دن طلوع فجر سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ اور اس کے بعد میں علماء کا اختلاف ہے امام شافعی، داؤد، ابن منذر اور دیگر علماء نے کہا جب سورج طلوع ہو جائے اور نماز عید اور خطبوں کی مقدار وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت ہو جاتا ہے اور اس نے اس وقت ذبح کیا تو اس کو کفایت کرتا ہے خواہ امام نے نماز پڑھی ہو یا نہیں۔ خواہ قربانی دینے والے نے نماز پڑھی ہو یا نہیں۔ خواہ وہ شہر والوں سے ہو یا گاؤں والوں سے اور مسافرین سے۔ خواہ امام نے قربانی کی ہو یا نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور عطاء بن ابی رباح نے کہا جب فجر ثانی طلوع ہو جائے تو گاؤں اور صحراؤں میں رہنے والوں کے حق میں قربانی کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور شہر والوں کے حق میں جب تک امام نماز نہ پڑھ لے اور خطبہ نہ دے دے قربانی کا وقت نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی نے اس سے قبل ذبح کرلیا تو اسے کفایت نہیں کرے گا۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا امام کی نماز اور خطبہ اور اس کے ذبح کرنے کے بعد ہی قربانی کرنا جائز ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک امام کی نماز سے قبل قربانی جائز نہیں اور اس کے بعد قربانی جائز ہے اگرچہ امام نے قربانی نہ کی ہو۔ (نووی شرح مسلم ص 153)

۲—عن عآئشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل عليها وحاضت بسرف قبل ان تدخل المكة وهي تبكي . فقال مالك انفست قالت نعم قال ان هذا امر كتب الله على بنات آدم فاقضي ما يقضي الحاج غير ان لا تطوفي بالبيت فلما كنا بمنى اوتيت بلحم بقر، فقلت ماهذا قالو اضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ازواجه بالبقر (عمدۃ القاری ج 21 ص 146)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے دراں حالیکہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے قبل مقام سرف میں حائضہ ہوگئیں تھیں۔ اور رو رہی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے حیض ہوگیا ہے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا یہ ایک ایسا امر ہے جو اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) حاجی کی طرح تم بھی مناسک حج ادا کرو۔ وہاں بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرنا۔ ام المومنین فرماتی ہیں جب ہم منیٰ میں تھے تو مجھے گائے کا گوشت دیا گیا۔ میں نے کہا یہ گوشت کیسا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کیا مسافر پر قربانی واجب ہے۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ قربانی سب لوگوں کے لیے سنت ہے اور منیٰ میں حاجی پر بھی۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا مسافر پر قربانی نہیں اور نہ ہی اس کو ترک قربانی کا حکم دیا جائے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ اور جو لوگ قربانی کو واجب کہتے ہیں وہ عورتوں پر بھی قربانی واجب قرار دیتے ہیں۔ اور جو لوگ قربانی کو واجب نہیں سمجھتے ان کے نزدیک عورتوں پر قربانی واجب نہیں اور وہ عورتوں کے حق میں قربانی کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

۳–عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی الله من اهراق دم وانه لیاتی یوم القیمة فی قرنه بقرونها واشعارها واظلافها وان الدم لیقع من الله بمکان قبل ان یقع فی الارض فطیبوا بها نفساً ۔ (سنن الکبریٰ ج 9 ص 261 ورواہ ابن ماجہ والترمذی)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید کے دن کوئی عمل اولاد آدم کا اللہ عزوجل کے نزدیک قربانی سے محبوب

نہیں۔ وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ، بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقام قبول کو پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی دل کی خوشی سے کرو۔

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں ابن ملک نے کہا ''فطیبوا'' میں حرف فا شرط مقدر کا جواب ہے۔ یعنی جب تم نے جان لیا کہ اللہ عزوجل اس کو قبول فرماتا ہے اور قربانی کے سبب تمہیں ثواب عظیم عطا فرماتا ہے۔ تو تمہارے دل قربانی کرنے پر خوش ہونے چاہئیں نہ کہ اس کو ناپسند سمجھتے ہوئے کرو۔ (مرقاہ شرح مشکوٰۃ ج سوم ص312)

۴—عن عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت بیوم الاضحی عید اجعلہ اللہ لھذہ الامۃ فقال الرجل فان لم أجد الامنیحۃ انثٰی افاضحی بھا ولکن خذ من شعرک واظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فذالک تمام اضحیتک عند اللہ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(سنن الکبریٰ ج9 ص264۔ ابن حبان جلد 7 ص563)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا مجھے یوم عید کا حکم دیا گیا ہے اور اس دن کو اللہ عزوجل نے اس امت کے لیے عید بنایا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں سوائے ایک اونٹنی دودھ دینے والی کے کچھ نہ پاؤں تو کیا میں اس کی قربانی کردوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اپنے بال کٹواؤ، ناخن قلم کراؤ، اپنی مونچھوں کو ترشواؤ اور زیر ناف بال منڈاؤ اللہ عزوجل کے نزدیک اس میں تمہاری قربانی پوری ہو جائے گی۔

علامہ ملا علی قاری اس حدیث مبارکہ کے ماتحت فرماتے ہیں تمہاری خالص نیت کے باعث تمہاری قربانی پوری ہو جائے گی اور تجھے اس کے سبب قربانی کے ثواب کی

مثل ثواب ملے گا۔ فرماتے ہیں پھر ظاہر حدیث وجوب پر دلالت کرتی ہے اور عاجز اس سے مستثنیٰ ہے۔ (مرقاہ شرح مشکوٰۃ ج سوم ص316)

۵- عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال کنا نتزود لحوم الاضاحی علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ وقال غیر مرۃ لحوم الھدی (بخاری شریف)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قربانیوں کے گوشت بطور زاد راہ مدینہ منورہ تک لے کر جاتے تھے۔ اور سفیان بن عیینہ نے کئی دفعہ اس طرح کہا "لحوم الھدٰی"

علامہ بدر الدین عینی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ اس باب میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانا حرام ہے اور وہ عبداللہ بن واقد بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور مذہب ظاہریہ کی ایک جماعت ہے اور دیگر علماء نے اس حکم میں ان سے اختلاف کیا ہے اور ان کے نزدیک ان کا کھانا اور ذخیرہ کرنا اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور وہ جمہور علماء کرام اور فقہاء اُمصار ہیں اور ان میں سے حضرات ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب ہیں۔ (عمدۃ القاری ج21 ص159)

۶- عن واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل لحوم الضحایا بعد ثلاث قال عبداللہ بن ابی بکر فذکرت ذالک لعمرۃ فقالت صدق سمعت عائشہ رضی اللہ عنھا تقول (الٰی آخر الحدیث) (مسلم شریف ج دوم ص158)

حضرت واقد ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے اپنے باپ کی خالہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے کہا واقد ابن عبداللہ نے سچ کہا ہے میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا کو کہتے ہوئے سنا کہ زمانہ اقدس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ضعیف اعرابی قربانی کے دن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دن تک گوشت ذخیرہ کرو اس سے جو بچے وہ سب صدقہ کردو۔ حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ آپ نے دوسرے سال فرمایا میں نے تمہیں وہ جو غریب وضعیف اعراب چل کر آئے تھے ان کی وجہ سے منع کیا تھا آپ نے فرمایا قربانی کا گوشت کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔

امام ابوزکریا نووی فرماتے ہیں جمہور علماء کا قول ہے کہ قربانی کے گوشت کا کھانا اور تین دن سے زائد باقی رکھنا مباح ہے۔ اور حدیث نہی ان احادیث سے جس میں تین دن سے زائد کھانے کی اجازت ہے منسوخ ہے۔ بالخصوص حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت بریدہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں زیارت قبور سے منع کرتا تھا اب قبروں کی زیارت کرو۔ میں تمہیں تین دن سے مافوق قربانیوں کے گوشت کھانے سے منع کرتا تھا اب گوشت جب تک چاہو روکے رکھو۔

(مسلم شریف ج دوم ص159)

اور نسخ ، سنت کا سنت کے ساتھ ہے بعض نے کا یہ نسخ نہیں بلکہ تحریم کسی علت کی وجہ سے تھی۔ (وہ اعراب کے ضعیف وغرباء کا قربانی کے گوشت کے لیے آنا) اور جب علت زائل ہوگئی حرمت ختم ہوگئی۔ (نووی شرح مسلم ص158)

علامہ بدرالدین عینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ لفظ ''کلوا'' قربانی کے گوشت سے کھانے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے فرماتے ہیں میں کہتا ہوں۔ طبری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کھانے والے کے لیے یہ امر بمعنی اطلاق واذن ہے نہ کہ معنی وجوب۔ اور ائمہ سلف وخلف کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی دینے والے کا انہیں قربانی کے گوشت سے نہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور نہ ہی یہ گناہ ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر بمعنی اطلاق واذن ہے۔ (عمدۃ القاری ج21 ص160)

امام طحاوی فرماتے ہیں یہ آثار واحادیث جو حضرت ثوبان۔ ام المومنین حضرت

عائشہ، قتادہ بن نعمان، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، بریدہ اسلمی، ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، نبشۃ الخیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، یہ اوّل باب میں جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین دن سے زیادہ قربانیوں کے گوشت کھانے سے ممانعت کی روایت کی تھی۔ یہ آثار و احادیث اس کی مخالفت پر دلیل ہیں کہ پہلے ممانعت تھی لیکن بعد میں اجازت دے دی گئی جب تک چاہو قربانی کا گوشت جمع کر کے کھا سکتے ہو۔ اور یہی امام اعظم و ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔ (طحاوی شریف ج دوم ص338)

امام نووی فرماتے ہیں علماء کرام نے کہا ادنیٰ کمال یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ خود کھایا جائے۔ اور تیسرا حصہ صدقہ کر دیا جائے۔ اور تیسرا حصہ دوست و احباب کو بطور ہدیہ پیش کیا جائے۔ یعنی تیسرے حصے گوشت کا صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔ اور قربانی کرنے والے کا بھی اس سے کھانا مستحب ہے واجب نہیں۔ (صفحہ مذکور الاول)

۷–وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما أنفقت الورق فی شیٔ احب الی اللہ من نحر ینحر فی یوم عید (رواہ الطبرانی فی الکبیر الترغیب و الترھیب للمنذری ج دوم ص 155 طبرانی فی الکبیر ج 11 ص 15 حدیث نمبر 10894)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دراہم جو عید کے دن قربانی کے لیے خرچ کیے جائیں وہ اللہ عزوجل کو بہت محبوب ہیں۔

ــ صاحب الترغیب والترھیب للمنذری مصطفیٰ محمد بن عمارہ فرماتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بہترین مال وہ ہے جو قربانی کے خریدنے میں خرچ کیا جائے اور قربانی کرنے کے اور فقراء و مساکین کے درمیان گوشت تقسیم کیا جائے۔

۸–عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال قلنا یا رسول اللہ ماھذہ الاضاحی، قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام . قال قلنا فمالنا

فیھا ۔ قال بکل شعرۃ حسنۃ قال قلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالصوف ۔ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ ۔

(بیہقی ج9 ص261۔ الترغیب ج دوم ص ورواہ ابن ماجہ واحمد)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانیاں کیا ہیں آپ نے فرمایا تمہارے باپ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانیوں میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اون کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی۔ (امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے) ترمذی نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا قربانیاں یہ ہیں کہ قربانی کرنے والے کے لیے اس قربانی کے ہر بال کے عوض نیکی ہے۔

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ طیبی نے کہا: بِکُلِّ میں حرف با بمعنی فی ہے تاکہ سوال کے مطابق ہو۔ یعنی قربانیوں میں ہمارے لیے ثواب کی کونسی چیز ہے۔ تو آپ نے اس کا جواب یہ فرمایا قربانیوں کے ہر بال میں نیکی ہے اور جب بال بکری سے کنایہ تھا تو صحابہ کرام نے بھیڑ، دنبہ کے متعلق دریافت کیا جو اون سے کنایہ ہے تو آپ نے فرمایا اون کے بھی ہر بال میں نیکی ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج سوم ص314)

۹ — عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ انہ سالہ عما کرھہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاضاحی اوما نھی عنہ فقال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویدی اقصر من یدہ فقال اربع لا یجزی فی الضحایا العوراء البین عوراھا والعرجاء البین عرجھا والمریضۃ البین مرضھا والعجفاء التی لا تنقی ۔ فقالوا للبراء ابن عازب فانما نکرہ النقص فی السن ولاذن والذنب

قال فاكر هوا ماشئتم ولا تحرمر علىٰ الناس . (رواه مالك
'احمد' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجه اور دارمی)

(طحاوی شریف ج دوم ص326-بیہقی ص274)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے عبید بن فیروز آزاد کردہ غلام بنی شیبان نے ان جانوروں کے متعلق دریافت کیا جن کا قربانی کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ سمجھتے تھے یا جن جانوروں سے آپ نے قربانی دینے سے منع فرمایا حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے دست اقدس کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا ان چار جانوروں سے بچو ان کی قربانی جائز نہیں۔ جن کا کانا پن ظاہر ہو۔ اور لنگڑا پن ظاہر اور جس کا اندھا پن واضح ہو۔ اور کمزور جس کی ہڈی پر مغز نہ ہو۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے عرض کیا ہم تو دانت، کان اور دم میں نقص مکروہ سمجھتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو چاہو مکروہ سمجھو لیکن لوگوں پر اس کو حرام نہ کرو۔

۱۰-عن علی رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال تضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء ولا عوراء

(رواہ الترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ۔ طحاوی شریف ج دوم ص327)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آپ نے فرمایا وہ جانور جس کا سامنے سے کان قطع کیا جائے اور لٹکتا رہے۔ وہ جانور جس کے کان کے پیچھے سے کاٹا جائے اور وہ پیچھے لٹکتا رہے۔ اور وہ جانور جس کا طول میں کان کاٹا جائے اور وہ جانور جس کے کان میں مستدیر سوراخ کیا جائے۔ ان سب کی قربانی نہ کی جائے۔

۱۱-عن قتادہ قال سمعت جری بن کلیب قال سمعت علیا

رضی اللہ عنہ یقول نھٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عضباء القرن ولاذن قال قتادۃ فقلت لسعید بن مسیب ما عضباء الاذن قال اذا کان النصف فاکثر من ذالك مقطوع ۔

(رواہ ابن ماجہ طحاوی شریف ج دوم ص 327۔ بیہقی ج 9 ص 275)

ورواہ ابن حبان عن حجیۃ بن عدی عن علی بن ابی طالب قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین ولاذن

(ابن حبان ج 7 ص 566) سنن نسائی شریف ج دوم ص 196

قتادہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے جری بن کلیب سے سنا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹے ہوئے سینگ اور کاٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی دینے سے منع فرمایا ہے۔

اخذ کردہ مسائل

ان احادیث مبارکہ سے جو ائمہ کرام نے مسائل اخذ کئے ہیں وہ یہ ہیں امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق فرمایا کچھ لوگ اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا بکری ہو یا اونٹ یا گائے جب ان میں ان عیوب میں سے کوئی عیب ہو اس کی قربانی کرنا جائز نہیں اور ان چار عیوب کے علاوہ کوئی عیب مثلاً دنبہ کی چکی اور کان وغیرہ کا کٹا ہوا ہونا اگر یہ عیب بکری اور گائے اور اونٹ میں ہوں تو ان کو قربان کرنے سے منع نہ کیا جائے۔ ان کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے قربانی کے لیے دنبہ خریدا بھیڑیئے نے اس پر حملہ کردیا اور اس کی چکی کو کاٹ ڈالا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کی قربانی کرو۔ (طحاوی شریف ج دوم ص 326)

اور دوسرے علماء کرام نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہا جس طرح ان چار عیوب کی وجہ سے قربانی جائز نہیں اسی طرح یہ عیب کہ کان و چکی وغیرہ کٹی ہوئی ہو جن

جانوروں میں پائے جائیں۔ان کی قربانی کرنا بھی جائز نہیں۔اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بسند دیگر اس لفظ سے روایت کی گئی ہے۔(بعض ذنبہ و بعض ألیته) یعنی چکی کا کچھ حصہ کٹا ہوا تھا۔تو آپ نے فرمایا اس کی قربانی کرو۔

کیونکہ حدیث قتادہ میں جو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے کہا ''عضباء الاذن'' یعنی کان کے کٹے ہونے سے کیا مراد ہے تو حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب نصف یا اس سے زیادہ کان کٹے ہوئے ہوں تو اس کو ''عضباء'' کہتے ہیں۔تو حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ کٹے کان والا جانور جو قربانی میں اس کا ذبح کرنا ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ کان یا چکی نصف یا اس سے زیادہ کٹی ہوئی ہو۔ اس سے ثابت ہو گیا کان وغیرہ میں جو قطع ممنوع ہے وہ نصف یا اس سے زیادہ کٹا ہوا مراد ہے۔اور ہمارے لیے اس کا ترک جائز نہیں۔کیونکہ حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ جو ہم نے ذکر کی وہ دو وجوہ میں سے ایک سے خالی نہیں۔یا تو حدیث براء حدیث حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ پر متقدم ہے اس بناء پر حدیث حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ پر زائد۔یا حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ حدیث حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے متاخر ہے۔اور یہ حدیث حضرت علی المرتضٰی کی حدیث کی ناسخ ہے۔اور جب حدیث علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا منسوخ ہونا معلوم نہ ہو سکا۔تو اس کے ثبوت کے علم ہو جانے کے بعد ہم نے حدیث حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت رکھا اور ان دونوں پر ہم نے عمل کرنا واجب قرار دیا۔تو ان آثار کے صحیح ہونے کی بنا پر وہ چار عیوب جو حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ میں مذکور ہیں قربانی کرنا ممنوع ہے اور مقابلہ و مدابرہ......اور یہ وہ جانور ہیں جن کے اکثر کان کٹے ہوئے ہوں آگے سے یا پیچھے سے وہ بھی ممنوع ہے۔ہمارے اصحاب (یعنی احناف) رحمہم اللہ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کان

چوتھائی یا اس سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں تو قربانی صحیح نہیں اور اگر چوتھائی سے کم ہوں تو قربانی جائز ہے۔ امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ نے کہا جب کان نصف یا اس سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں تو اس جانور کی قربانی نہ کرے اور اگر نصف سے کم کٹے ہوئے ہوں تو قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے یہ قول حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا میرا قول بھی تمہارے قول کی مثل ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔ یعنی چوتھائی یا اس سے زیادہ کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی جائز ہے اگر نصف یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہو تو قربانی صحیح نہیں اور ان کا یہ قول روایت حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے موافق ہو گیا یعنی جب جانور کا کان، چکی دم وغیرہ نصف یا اس سے کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (طحاوی شریف ج دوم ص 327)

۱۲- عن ام سلمة رضی اللہ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا دخل العشرو ارادبعضکم ان یضحی فلا یمس من شعره و بشره شینا وفی روایة فلایا خذن شعراً ولا یقلمن ظفراً وفی روایة من رای هلال ذی الحجة و اراد ان یضحی فلا یاخذ من شعره و اظفاره ۔ (مسلم شریف ج دوم ص 160)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ماہ ذوالحجہ کا عشرہ اوّل داخل ہو اور تم میں سے بعض قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بالوں وغیرہ کو مس نہ کرے اور ایک روایت میں ہے وہ بالوں کو نہ کٹوائے اور نہ ناخن قلم کرائے اور ایک روایت میں ہے جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ لیا اور اس کا ارادہ قربانی کا ہے تو وہ نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن ترشوائے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حاصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافیہ ہے امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جس کا ارادہ قربانی کا ہو وہ نہ بال منڈائے اور نہ ناخن قلم کرائے۔ حتیٰ کہ وہ قربانی کرے اور اگر کسی نے یہ کیا تو یہ مکروہ ہے امام

ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کام مباح ہے اور اس کا ترک مکروہ نہیں۔ اور نہ ہی مستحب ہے۔ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کام حرام ہے اس طرح کتاب ''رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ'' میں ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج 3 ص 307)

امام ابوزکریا نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ علماء کرام نے اس شخص میں اختلاف کیا ہے جو عشرہ ذوالحجہ آ جائے اور وہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو حضرت سعید بن مسیّب، ربیعہ، امام احمد، اسحٰق، داؤد اور بعض اصحاب شافعی کا قول ہے کہ وقت قربانی میں قربانی کرنے تک بال اور ناخن وغیرہ کا قلم کروانا حرام ہے امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ اور حرام نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں مکروہ نہیں اور ایک روایت میں مکروہ ہے۔ (نووی شرح مسلم ج دوم ص 160)

۱۳-عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذبح قبل الصلٰوة فانما ذبح لنفسه ومن ذبح بعد الصلٰوة فقد تم نسكه واصاب سنة المسلمين (بخاری شریف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز عید سے قبل ذبح کیا اس نے صرف اپنے لیے ذبح کیا اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کیا تحقیق اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت (یہ دین میں طریقہ سلوکہ ہے کبھی اس سے مراد سنت ہی ہوتا ہے اور کبھی واجب مراد لیا جاتا ہے) کو پالیا۔

۱۴-عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال النبى صلى الله عليه وسلم يوم النحر من كان ذبح قبل الصلٰوة فليعدهٗ فقام رجل فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذا يوم يشتهى فيه اللحم و ذكر جيرانه . وعندى جزعة خير من شاقى لحم

فرخص له في ذالك ۔ فلا ادري ابلغت الرخصة من سواه ام لا‘ثم انكفا النبي صلى الله عليه وسلم الى كبشين فذبحهما وقام الناس الى غنيمة فتوزعوها او قال فتجزعوها ۔ بخاري شريف و مسلم شريف ج دوم ص 154 ۔ وفي رواية مسلم عن الشعبي عن البراء بن عازب ان هذا يوم اللحم فيه مكروه

حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن فرمایا جس نے نماز عید سے قبل ذبح کیا ہے اسے چاہیے وہ دوبارہ ذبح کرے۔ ایک شخص (ابو بردہ) نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے بکریوں کے گوشت سے اس کا گوشت بہتر ہے، (طیب ونفیس ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کی اجازت فرمادی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے مجھے معلوم نہیں ابو بردہ کے علاوہ بھی یہ رخصت کسی کو حاصل ہو (ہوسکتا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نہ پہنچا ہو کہ تمہارے بعد کسی کو یہ کفایت نہیں کرے گا) پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو کر قربان گاہ اپنے دونوں دنبوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو ذبح فرمایا۔ اورلوگ بھی اپنی اپنی بکریوں کے پاس گئے اوران کو تقسیم کیا اور مسلم کی روایت میں جسے شعبی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس میں ’’هذا يوم يشتهي فيه اللحم‘‘ کی جگہ ’’ان هذا يوم اللحم فيه مكروه‘‘ ہے۔ یعنی اس دن قربانی نہ کرنا اور اپنے اہل وعیال کو بلا گوشت باقی رکھنا حتیٰ کہ وہ اس کی خواہش کرتے ہوں مکروہ ہے۔

۱۵ -عن انس رضي الله عنه قال ضحى النبي صلى الله عليه وسلم بكبشين املحين وفي روايته اقرنين ۔ فرايته واضعاً قدمه على صفا حهما يسمّي و يكبر ۔ فذبحهما بيده وفي روايته انا اضحي بكبشين ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبوں کی قربانی کی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے دو دنبوں کی قربانی دی جن کا رنگ سیاہ اور سفید تھا لیکن سیاہی زیادہ تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ نے اس کے دو پہلو میں سے ایک پہلو پر اپنا قدم رکھا ہوا تھا آپ تسمیہ پڑھتے اور تکبیر پڑھتے آپ نے اپنے دست اقدس سے ان کو ذبح فرمایا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ میں دو دنبوں کی قربانی کرتا ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ میں دلیل ہے کہ تسمیہ کے ساتھ تکبیر مستحب ہے اور قربانی کے جانور کے دائیں جانب گردن پر قدم رکھنا مستحب ہے۔ اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قربانی کے جانور بائیں پہلو لٹایا جائے اور اس کے دائیں جانب قدم رکھے تاکہ ذبح کرنے والے کے لیے دائیں ہاتھ میں چھری پکڑنا آسان ہو۔ اور اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے سر کا پکڑنا سہل ہو۔ علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں ابن قاسم نے کہا صواب یہ ہے کہ اس کو بائیں پہلو لٹایا جائے اور مسلمانوں کا عمل اس پر آ رہا ہے۔ اگر کسی نے بھول کر دائیں پہلو لٹا کر ذبح کیا تو اس کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے۔ (فتح الباری ج 10 ص 18۔ عمدۃ القاری ج 21 ص 154)

۱۶-روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان داؤد علیه السلام قال الھی ما ثواب من ضحی من امة محمد صلی اللہ علیه وسلم قال اللہ عزوجل ثوابه ان یعطی بکل شعرة منها عشر حسنات ویمحیٰ عنه عشرہ سیات ویرفع له عشر درجات فقال الھی فما ثوابه اذا شق بطنها قال اذانشق القبر عنه اخرجه اللہ تعالیٰ آمناً من الجوع والعطش ومن اھوال القیامة یا داؤد له بکل بضعته من لحمها طیر فی الجنة کا مثال البخت وبکل کراع منها مرکب من مراکب الجنة وبکل شعرة علی جسدھا قصر فی الجنة وبکل شعرة علیٰ راسھا

جارية من الحور العين اما علمت يا داؤد ان الضحايا هی المطايا وان الضحايا تمحو الخطايا و ترفع البلايا (الحديث)

(غنیۃ الطالبین ص658)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ جس نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کی اس کا کیا ثواب ہے اللہ عزوجل نے فرمایا اس کا ثواب یہ ہے کہ اس کو ہر بال کے عوض دس نیکیاں دی جائیں گی۔ اور اس کے دس گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس کے لیے دس درجات بلند کئے جائیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ جب اس نے قربانی کے جانور کا پیٹ چاک کیا تو اس کے لیے کیا ثواب ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا جب اس کی قبر شق ہوگی اللہ عزوجل اس کو اس حالت میں قبر سے نکالے گا کہ وہ بھوک و پیاس اور خوف قیامت سے امن میں ہوگا۔ اے داؤد علیہ السلام قربانی کے گوشت کے ہر ٹکڑے کے عوض اونٹنی کی مانند ایک پرندہ ہوگا۔ اور ہر پائے کے عوض جنت کی سواریوں میں سے ایک سواری ہوگی۔ اور اس کے جسم کے ہر بال کے عوض اس کے لیے جنت میں ایک محل ہوگا۔ اور اس کے سر کے ہر بال کے عوض جنت کی حوروں میں سے ایک خادمہ ہوگی۔ اے داؤد تم جانتے ہو کہ قربانیاں، سواریاں ہیں اور یہ قربانیاں گناہ کو مٹاتی ہیں اور مصائب و آلام کو دور کرتی ہیں۔

۱۷-عن ابن عباس رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم فی يوم الاضحی ما عمل ابن آدم فی هذا اليوم افضل من دم يهراق الا ان يكون رحما مقطعوة توصل .

(معجم کبیر للطبرانی ج11 ص27، الترغیب والترھیب ج دوم ص154)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے قربانی کے دن کے متعلق ارشاد فرمایا اولاد آدم کا اس دن میں قربانی کرنے سے کوئی عمل افضل نہیں مگر یہ کہ صلہ رحمی کی جائے۔

یعنی صلہ ارحام اور اقارب کی محبت و مودت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے عمل سے بھی زیادہ ثواب رکھتی ہے۔

۱۸-عن لیث عن طاؤس قال ما انفق الرجل من نفقة اعظم اجراً من دم یهراق فی هذا لیوم یعنی یوم النحر الا رحم یصلها .

(مصنف عبدالرزاق ج4 ص387)

لیث نے طاؤس سے روایت کی انہوں نے کہا آدمی جو بھی خرچہ کرے، وہ قربانی کے دن خون بہائے جانے سے ازروئے ثواب اعظم نہیں ہے یعنی قربانی کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ مگر جو صلہ رحمی کرے "ھیثمی" نے کہا اس حدیث میں ایک راوی "یحیی بن حسن خشنی" ہیں اور وہ ضعیف ہیں اور اس حدیث میں استثناء ہے اور مرفوع حدیث میں استثناء نہیں ہے۔ اور وہ مرفوع حدیث یہ ہے۔

۱۹-عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابن عباس رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما أنفقت الورق فی شیء افضل من نحیرة فی یوم عید . (بیہقی ج9 ص161)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز میں دراہم کا خرچ کرنا عید کے دن میں قربانی سے افضل نہیں ہے۔

یعنی جو دراہم قربانی کے لیے خرچ کئے جائیں وہ بہت افضل ہیں اور یہ حدیث مرفوع ہے جس میں "الا رحم یصلها" استثناء نہیں، معلوم ہوا جو خرچہ قربانی کے جانور پر کیا جائے وہ سب سے افضل ہے۔ مصطفیٰ محمد عمارہ صاحب تعلیق الترغیب والترهیب نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بہتر مال وہ ہے جو قربانی کے خریدنے میں خرچ کیا جائے اور اس کو ذبح کیا جائے اور بعدازاں اس کے گوشت کو فقراء و مساکین پر تقسیم کیا

جائے۔

۲۰-عن ابی هريرة رضی الله عنه قال ، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من باع جلد اضحيته فلا اضحية له

(الترغیب والترھیب ج دوم ص156) رواہ حاکم وقال صحیح الاسناد بیہقی ج9 ص294)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کردی اس کی قربانی نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو قربانی کا کامل ثواب نہیں ملے گا۔ صاحب فتاویٰ شامیہ فرماتے ہیں قربانی کی کھال صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اس کو فروخت کردے تو اس کی قیمت سی جتنی رقم بنتی ہے اس کو صدقہ کرے۔

۲۱-عن ابی امامة رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم حير الاضحية الكبش وخير الكفن الحلة رواه ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجة مگر ابن ماجہ نے اس طرح کہا ہے ''الکبش الاقرنؓ''

(الترغیب والترھیب للمنذری ج دوم ص155 'بیہقی ج9 ص273

حضرت ابوامام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین قربانی دنبے کی ہے اور بہترین کفن حلہ ہے ابن ماجہ نے کہا وہ دنبہ جس کے سینگ ہوں۔

۲۲-عن علی رضی الله عنه قال البقرة عن سبع قلت فان ولدت قال اذبح ولدها معها قلت فالعرجاء قال اذا بلغت المنسك قلت فمكسورة القرن فقال لاباس امرنا او امرنا رسول الله صلی الله عليه وسلم ان نستشرف العينين ولا ذنين هذا حديث حسن و وقد رواه سفيان الثوری عن سلمة ابن كهيلی .

(ترمذی شریف ص260)

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا گائے سات افراد سے کافی ہے (صحیہ بن عدی) نے کہا میں نے عرض کیا اگر وہ بچہ جنم دے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا گائے کے ساتھ اس کو ذبح کرو۔ میں نے عرض کیا لنگڑی کے متعلق کیا خیال ہے آپ نے فرمایا جب وہ قربان گاہ تک چل کر پہنچ جائے تو جائز ہے۔ میں نے عرض کیا جن کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ آپ نے کہا ہمیں حکم دیا گیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور سفیان ثوری نے سلمہ بن کھیلی سے اس کی روایت کی۔

معلوم ہوا گائے میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں اور گائے میں شرکت بکری کی قربانی کے قائم مقام ہے اور یہ بھی معلوم ہوا اگر اس کا بچہ ہو تو اس کے ساتھ ہی ذبح کر دیا جائے۔ ورنہ بعد میں اس کو صدقہ کر دینا چاہئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لنگڑا اپن قربانی کے مانع نہیں جو خود چل کر قربان گاہ تک پہنچ جائے۔ اور جن کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں ان کی قربانی جائز ہے۔ اور جن جانوروں کے پیدائشی سینگ نہ ہوں وہ بدرجہ اولٰی جائز ہیں۔

۲۳-حدثنا قتادة عن انس رضی اللہ عنه قال کان اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم یشترکون سبعة من الابل و السبعة فی البدنه من البقرة ۔ (طحاوی شریف ج دوم ص331)

قتادہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اونٹ میں سات شریک ہوتے تھے۔ اور گائے میں بھی سات شریک ہوتے تھے۔

امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے اسود بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے جو یہ روایت کی گئی ہے کہ حدیبیہ کے سال ستر اونٹ تھے اور لوگوں کی تعداد سات سو تھی اور ہر ایک

اونٹ دس اشخاص کی طرف سے قربانی دیا گیا۔ اس کے جواب میں آپ نے پہلے مختلف اسناد کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ اور دیگر صحابہ کرام سے روایت کی فرمایا یہ جابر بن عبداللہ جو حدیبیہ کے سال آپ کے ہمراہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دے رہے ہیں کہ عام حدیبیہ ستر اونٹ تھے اور ایک سات افراد کی طرف سے تھا۔ امام طحاوی نے اس کے جواب میں ایک حدیث روایت کی جس کا تعلق حدیبیہ سے نہیں وہ حدیث مبارکہ یہ ہے۔

۲۴-عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال سئل رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اشتری سبعا من الغنم ان عَلَیّ ناقۃ وقد غربت عنی فقال اشتر سبعا من الغنم (طحاوی شریف ج دوم ص 331)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا میرے پاس اونٹنی تھی جو بھاگ گئی ہے کیا میں سات بکریاں خرید لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا سات بکریاں خرید لو۔

امام طحاوی فرماتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اونٹنی کو سات بکریوں کے برابر فرمایا جو ان میں سے ہر ایک شخص کے لیے ایک بکری کفایت کرتی ہے اور آپ نے اس اونٹنی کو دس کے قائم مقام نہیں فرمایا تو یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق روایت کیا گیا ہے وہ صحیح ہے۔ اور جو اسود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ صحیح نہیں۔

(اقول) آج کل دیکھا گیا ہے کہ عام لوگ یہ کہتے ہیں جو شخص اونٹ یا گائے وغیرہ میں حصہ ڈالتے ہیں جب تک وہ سات دفعہ حصہ نہ ڈالیں اُن کی قربانی نہیں ہوتی محض غلط اور لوگوں کا باطل خیال ہے۔ اور یہ خیال شریعت کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اونٹ یا گائے میں ایک حصہ ایک بکری یا دنبہ کی قربانی کے بدل ہے اور اس کے قائم

مقام ہے اللہ عزوجل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔اب وہ حدیث سماعت فرمائیں جو مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے مروی ہے۔

۲۵-عن مسور بن مخرمه و مروان بن الحكم قالا خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الحديبية يريد زيارت البيت وساق معه الهدى وكان الهدى سبعين بدنة وكان الناس سبع مائة رجل وكانت كل بدنة عن عشرة ۔ (طحاوی شریف ج دوم ص330)

مسور بن مخرمہ اور مردان بن حکم سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال زیارت بیت اللہ شریف کے ارادے سے نکلے۔ اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور لیکر گئے اور قربانی کے جانور ستر اونٹ تھے اور لوگ سات سو آدمی تھے۔اور ہر اونٹ دس کی طرف سے قربانی کیا گیا۔(واللہ ورسولہ اعلم بالصواب)

۲۶-عن جندب بن سفيان قال شهدت الاضحى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يعد ان صلى وفرغ من صلوٰته سلم فاذا هو يرى لحم اضاحى قد ذبحت قبل ان يفرغ من صلوته فقال من كان ذبح اضحيته قبل ان يصلى او نصلى فليذبح مكانها اخرىٰ ومن كان لم يذبح فليذبح باسم الله ۔

(مسلم شریف ج دوم ص153۔ بخاری شریف)

جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا عید کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا آپ نے نماز عید پڑھی اور اپنی نماز سے فارغ ہوئے اور سلام پھیرا تو واپس تشریف لائے۔کیا دیکھتے ہیں کہ قربانیوں کا گوشت ہے جو آپ کے نماز سے فارغ ہونے سے قبل ذبح کی گئی۔آپ نے فرمایا جس نے نماز پڑھنے سے پہلے یا فرمایا ہمارے نماز پڑھنے سے قبل قربانی ذبح کی ہے اسے چاہئے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔اور جس نے قربانی نہیں کی وہ اللہ عزوجل کے نام سے ذبح کرے۔

علامہ ملا علی قاری اور صاحب عمدۃ القاری اور ان کے علاوہ اکثرین علماء کرام نے اس حدیث مبارکہ سے وجوب قربانی پر یہ استدلال کیا ہے۔اس کے متعلق وجوب قربانی کے بیان میں مفصل مسطور ہے۔امام ابوزکریا نووی نے کہا ہے کہ ''فليذبح على اسم الله'' کا صحیح معنی یہ ہے وہ باسم اللہ کہتے ہوئے ذبح کرے۔قاضی عیاس فرماتے ہیں یہ چار وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔''اول'' اس کے معنی اس طرح ہوں۔وہ اللہ کے لیے ذبح کرے اور حرف بمعنی لام ہے۔اور ''دوسرا'' معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی سنت کے مطابق ذبح کرے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ ذبیحہ پر اسلام کے اظہار اور جو غیر اللہ کے نام ذبح کرتے ہیں ان کی مخالفت اور شیطان کے ذلیل خوار کرنے کے لیے اللہ عزوجل کا نام لے۔اور چوتھا اللہ عزوجل کے ذکر کے ساتھ تیمن و تبرک حاصل کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھے۔حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں پانچویں وجہ کا بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ''بسم اللہ'' اس وقت ذبیحہ میں مطلق اذن ہو۔کیونکہ سیاق نماز عید سے قبل منع کا متقاضی ہے اور اس کے بعد اذن ہے جیسا کہ اجازت طلب کرنے والے کے لیے کہا جاتا ہے ''بسم اللہ'' یعنی اندر آ جاؤ۔

(نووی شرح مسلم ج دوم ص 155۔فتح الباری ج 10 ص 22-21)

۲۷-انبأ شعيب قال قال نافع سال ابو سلمة عبدالله بن عمر رضى الله عنهما بعد النحر بيوم فقال بدا لى ان اضحى فقال ابن عمر رضى الله عنهما من شاء فليضح اليوم ثم غداً ان شاء الله ۔

(بیہقی ج 9 ص 297)

حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے قربانی کے دوسرے دن کے متعلق دریافت کیا اور کہا میں قربانی دینا چاہتا ہوں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کا دل چاہے آج قربانی دے ''ثم'' پھر کل بھی قربانی دے سکتا ہے انشاءاللہ۔

۲۸-حدثنا مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر رضى الله عنه كان

يقول الاضحى يومان بعد يوم الاضحى

(مؤطا امام مالك ج سوم ص 79 . بيهقى ج 9ص 297)

امام مالک نے نافع سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے قربانی کا وقت عید کے دن کے بعد دو دن ہے۔

۲۹-حدثنا سعيد بن ابى عروبه عن قتادة عن انس رضى الله عنه قال الذبح بعد النحر يومان (بیہقی ج9ص297)

سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان انہوں نے کہا یوم نحر کے بعد ذبح کے دو دن ہیں۔

۳۰-اخرجه ابن عبدالبر من طريق زر عن على رضى الله عنه قال الايام المعدودات يوم النحر ويومان بعده اذبح فى ايها شئت وافضلها اولها . (بحوالہ زرقانی علی الموطا ج سوم ص79)

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا دن شمار کئے گئے ہیں یعنی قربانی کا دن اور اس کے بعد دو دن۔ ان میں سے جس دن تو چاہے ذبح کر اور ان دنوں میں سے پہلا دن افضل ہے۔

عبداللہ عبدالباقی ووقانی رحمتہ اللہ علیہ بنے کہا امام طحاوی نے فرمایا اس کی مثل رائے نہیں ہوسکتی تو اس حدیث کی دلالت توقیف پر ہے۔ امام مالک وابوحنیفہ اور امام احمد اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ قربانی کا وقت صرف تین دن ہے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ وقت قربانی عید کا دن اور اس کے بعد تین دن ہیں یعنی امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ایام قربانی چار ہیں۔ (زرقانی علی الموطا ج سوم ص79)

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قربانی کا آخر وقت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یوم النحر اور اس کے بعد تین دن ایام تشریق میں قربانی کرنا جائز ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب، جبیر بن مطعم، ابن عباس، عطاء، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن موسیٰ اسدی فقیر اہل شام، مکحول اور داؤد وظاہری وغیرہم نے یہی کہا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ، مالک، احمد رضی اللہ عنہم ان کے نزدیک ایک دن قربانی کا اور اس کے بعد دو دن قربانی کرنا جائز ہے۔ اور یہ عمر بن خطاب، علی المرتضیٰ، ابن عمر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شہر والوں کے لیے صرف یوم نحر اور گاؤں والوں کے لیے ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔ محمد بن سیرین اور حمید بن عبدالرحمٰن اور داؤد ظاہری کے نزدیک سوائے یوم نحر کے کسی دن بھی قربانی جائز نہیں۔ (نووی شرح مسلم ج دوم ص 153)

علامہ ماردینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام طحاوی نے ''احکام القران'' میں فرمایا صحابہ کرام میں سے کسی ایک سے بھی ان کا اختلاف مروی نہیں لہٰذا متعین ہوگیا کہ ان اصحاب یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، انس بن مالک اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی اتباع ضروری ہے۔ استذ کار میں یہ حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر سے مروی ہے اور اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ سے اختلاف نہیں کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی صحیح ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ، ثوری اور امام مالک رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔ ابن بنت نعیم نے ''نوادر الفقہاء'' میں کہا تمام ائمہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ذوالحجہ کے تیرہویں دن قربانی کرنا جائز نہیں سوائے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے کہ انہوں نے اس دن قربانی کرنے کی اجازت دی ہے۔

(الجوہر النقی فی ذیل سنن الکبریٰ للبیہقی ج 9 ص 287)

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ صحیح ہے اگر صحیح نہ ہوتا امت کا عمل اس کے خلاف ہوتا۔ جمیع امت محمدیہ کا اس پر عمل رہا ہے۔ آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ یہی عمل مذہب امام ابوحنیفہ کی حقانیت وصداقت کی دلیل ہے۔

اس طرح ایام نحر کی راتوں میں قربانی کرنے کے جواز میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا بالکراہت رات کو قربانی کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ، احمد، اسحٰق اور ابوثور اور جمہور کا یہی قول ہے۔ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مشہور قول اور ان کے عامہ اصحاب اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں رات

میں قربانی کرنا کفایت نہیں کرتی بلکہ صرف بکری کا گوشت ہے۔ (نووی شرح مسلم ج دوم ص153)

۳۱-عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ضحی طیبة بھانفسہ محتسبا لا ضحیتہ کانت لہ حجاباً من النار ۔ (معجم کبیر للطبرانی ج سوم ص84)

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دل کی خوشی سے حصول ثواب کے لیے قربانی کی یہ قربانی اس کے لیے جہنم سے حجاب بن جائے گی۔ یعنی قربانی اس کے اور دوزخ کے درمیان حجاب بن جائے گی۔

۳۲-عن حنش بن حارث قال رایت علیًا یضحی بکبشین فقلت لہ ماھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ

(رواہ ابوداؤد، ترمذی ص295۔ بیہقی ج9 ص288)

حنش بن حارث نے کہا میں نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ دو قربانیاں دیا کرتے تھے میں نے آپ سے عرض کیا یہ کیا ہے تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی دیا کروں تو میں آپ کی طرف سے قوبانی کرتا ہوں۔

امام بیہقی فرماتے ہیں اگر یہ حدیث ثابت ہے تو یہ حدیث جو لوگ مسلمانوں میں سے دار دنیا سے رحلت کر گئے ہیں ان کی طرف سے قربانی کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ حافظ مزی نے اس حدیث کو اپنے اطراف میں ترجمہ حنش بن ربیعہ اور انہیں ابن معتمر بھی کہا جاتا ہے میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی کی طرف منسوب کیا۔ لیکن سنن بیہقی میں حنش بن حارث ہے جیسا کہ تمہارے سامنے ہے اور علامہ ملا علی قاری نے حنش بن عبداللہ سبائی بیان کیا

ہے۔ میرے خیال میں حنش بن ربیعہ جو ابن معتمر سے مشہور ہیں وہی حضرت علی المرتضٰی سے راوی ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ حافظ عسقلانی التہذیب میں اس کے ترجمہ کے ماتحت لکھا ہے حنش بن ربیعہ حکم بن عتیبہ سے روایت کرتے ہیں لہٰذا امام مزی کا قول درست ہے یا ان دونوں نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی۔

(تحفۃ الاشراف فی معرفۃ الاطراف للمزی ج 7 ص 369)

۳۳-عن ابی هريرة رضی الله عنه قال جاء جبريل عليه السلام الى النبی صلى الله عليه وسلم يوم الاضحى فقال كيف رايت نسكنا هذا قال لقدباهی الله به اهل السماء . واعلم يا محمد صلى الله عليه وسلم ان الجذع من الضان خير من الثنية من الابل والبقر ولو علم الله ذبحا افضل منه لفدی به ابراهيم عليه السلام . (بیہقی ج 9 ص 271) . ذكر الحاكم فی المستدرك هذا الحديث من طريق اسحاق المذكور فذكره بسنده ثم قال صحيح الاسناد .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا قربانی کے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرائیل تم ہماری ان قربانیوں کو کیسا دیکھ رہے ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان والے باہم آپ کی ان قربانیوں پر فخر کر رہے ہیں۔ جبرائیل نے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جان لیجئے کہ بھیڑ کا بچہ اونٹ اور گائے سے افضل ہے جن کے سامنے والے دو دانت گرے ہوئے ہوں۔ اور اگر اللہ عزوجل کے علم ازلی و قدیم میں اس سے کوئی ذبح کرنا افضل ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی قربانی کرتے۔ اس حدیث کو من طریق اسحاق مذکور حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اور اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (الجوہر النقی ج سوم ص 271)

۳۴-عن شداد بن اوس قال ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الله کتب الاحسان علٰی کل شئ فاذا قتلتم فاحسنو القتلة واذا ذبحتم فاحسنو الذبح فلیحد آحدکم شفرته فلیرح ذبیحته ۔

(مسلم شریف ج دوم ص152۔ بیہقی ج9 ص280)

شداد بن اوس سے روایت ہے انہوں نے کہا دو چیزیں ہیں جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے ہر چیز پر احسان کرنا لکھ دیا ہے۔ جب تم جانور کو قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو۔ چاہئے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو راحت و آرام پہنچائے۔

امام ابوزکریا نووی فرماتے ہیں۔ ذبیحہ کو راحت پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ چھری کو تیز کرے اور جانور کے حلق پر جلدی گزارے۔ یعنی ذبح میں دیر نہ کرے۔ فرماتے ہیں مستحب طریقہ یہ ہے کہ ذبیحہ کے سامنے چھری تیز نہ کرے۔ اور نہ ہی ایک کو دوسرے کے سامنے ذبح کرے۔ اور نہ ہی اس کو ذبح کی جگہ لے کر جائے۔ لہٰذا قربانی کا جانور کسی اچھے ذبح کرنے والے سے ذبح کرانا چاہئے۔ جو ذبح کرنا جانتا ہو۔ ہمارے ہاں حال یہ ہے کہ ہلال عید طلوع ہوتے ہی ہر کس و ناکس اس کام کے لیے تیاری کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور عید کے دن قربانی کرتا ہے مشاہدہ میں آیا ہے کہ کئی دفعہ قصائی ذبح کرنے لگتا ہے اور جانور خون آلود بھاگ جاتا ہے۔ کیونکہ چھری کند ہوتی ہے اور کرنے والا اناڑی جانور پر ظلم ہے اس پر احسان یہی ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

(نووی شرح مسلم ج دوم ص152)

۳۵-عن عائشہ رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ضحوا وطیبوا بها انفسکم فانه لیس من مسلم یوجهه ضحیته الی القبلة الا کان دمها، و فرثها، وصوفها حسنات

محضرات في ميزانه يوم القيمة و كان يقول انفقوا قليلا توجروا كثيرًا ان الدم وان وقع في التراب فهو في حرز الله حتى يوفيه صاحبه يوم القيمة ۔

(مصنف عبدالرزاق ج 4 ص 388۔ ترمذی شریف ص 259۔ بیہقی ج 9 ص 261)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل کی خوشی سے قربانی کرو۔ جو بھی مسلمان اپنی قربانی قبلہ رخ لٹا کر ذبح کرتا ہے ان کے خون، گوبر اور اون نیکیاں بن کر قیامت کے دن اس کے میزان عدل میں حاضر کی جائیں گی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ عزوجل کی راہ میں قلیل خرچ کرو اور کثیر ثواب حاصل کرو۔ اگر چہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرتا ہے مگر وہ اللہ عزوجل کی حفاظت میں ہے قیامت کے دن قربانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا ثواب عطا کیا جائے گا۔

٣٦-عن عائشة ان رسول الله امر بكبش اقرن يطأ في سواد، ويبرك في سواد و ينظر في سواد فأتى به يضحي به قال لعائشة هلمي المدية ثم قال اشحذيها بحجر فضلعت ثم اخذها واخذ الكبش فاضجعه ثم ذبحه ثم قال بسم الله اللّٰهم تقبل من محمد و آل محمد ومن امة محمد صلى الله عليه وسلم ثم ضحى به ۔

(مسلم شریف ج دوم ص 156 - ابن حبان جلد 7 ص 564 - سنن الکبریٰ جلد 9 ص 267)

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے مینڈھے کا حکم دیا۔ جو سیاہی میں چلتا ہو۔ سیاہی میں بیٹھا ہو۔ سیاہی میں دیکھتا ہو۔ یعنی اس کے پاؤں، پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں۔ وہ مینڈھا قربانی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر پر تیز کرو۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑی اور مینڈھے کو لٹایا اور اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا پھر

فرمایا۔ ''بسم اللہ'' اے اللہ تو اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور امت کی طرف سے قبول فرما۔ پھر آپ نے اس کی قربانی دی۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا واجب۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے اگر اس نے عمداً یا سہواً بسم اللہ چھوڑ دی ذبیحہ حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا بھی مذہب یہ ہے دونوں صورتوں میں اس کا گوشت نہ کھایا جائے اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یہی صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک سے ایک روایت میں اور ثور اور جمہور علماء کے نزدیک اگر بسم اللہ سہواً رہ گئی تو ذبیحہ حلال ہے اور عمداً اس کو ترک کیا تو وہ حرام ہے۔ اس کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ کا بھی یہی قول ہے۔ (نووی شرح مسلم ج دوم ص145)

۳۷-عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمۃ رضی اللہ عنہا یا فاطمۃ رضی اللہ عنہا قومی فاشھدی اضحیتك اما ان لك باول قطرۃ تقطر من دمہا مغفرۃ لکل ذنب اما انہ یجار بہا یوم القیمۃ بلحومہا ورمائہا سبعین ضعفا حتی توضع فی میزانك فقال ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ یا رسول اللہ أھذہ لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ فھم اھل لما خصوا بہ من خیر اولآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم والناس عامۃ ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ھی لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم والناس عامۃ ۔

(بیہقی جلد 9 ص283 مصنف عبدالرزاق ج 4 ص388۔ اور مصنف عبدالرزاق کی حدیث کو امام بیہقی نے عمران بن حصین سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور امام حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے فاطمہ علیہا السلام کھڑی ہو جاؤ اور اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن قربانی کے جانور کا گوشت اور خون ستر گنا زیادہ کر کے لایا جائے گا اور اسے تیرے میزان میں رکھ دیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ حکم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے اور جس خیر سے وہ خاص کئے گئے ہیں وہ اس کے ہی اہل ہیں۔ یا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عامۃ الناس کے لیے بھی یہ حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ یہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عام لوگوں کے لیے ہے۔

۳۸-عن جابر رضی اللہ عنه قال ذبح النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم الذبح کبشین . اقرنین املحین موجؤاین فلما وجههما قال اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ . اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اللهم منك ولك عن محمد صلی اللہ علیه وسلم واُمته بسم اللہ واللہ اکبر ثم ذبح (رواه احمدو ابو داؤد و ابن ماجه والدارمی وفی روایة لاحمد و ابی داؤد والترمذی ذبح بیده وقال بسم اللہ واللہ اکبر هذا عنی وعمن لم یضح من امتی)

(مسند احمد ج سوم ص356۔ ترمذی شریف ص261) مرقاۃ شرح مشکوۃ ج سوم ص307)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن سینگ والے، سیاہ اور سفید رنگ والے خصی کئے ہوئے بکرے ذبح کئے۔ جب ان کو قبلہ رخ لٹایا گیا تو یہ دعا پڑھی: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔"

میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان وزمین بنائے ملت ابراہیم پر اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو ربّ سارے جہان کا۔

اے اللہ! یہ قربانی مجھے تیری طرف سے عطیہ پہنچی ہے اور خاص تیرے لیے ذبح کی گئی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت کی طرف سے ہے "بسم اللہ واللہ اکبر" پھر آپ نے ذبح فرمایا۔ امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے آپ نے اپنے دست اقدس سے یہ کہتے ہوئے ذبح کیا "بسم اللہ واللہ اکبر" اے اللہ یہ قربانی میری طرف سے اور میری امت سے اس شخص کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی قبول فرما۔

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ اپنے اہل زمانہ کی تخصیص کا بھی احتمال رکھتا ہے اور آپ کے احسان کا جو مناسب تعمیم ہے کو بھی شامل ہے۔ معنیٰ اوّل کے مطابق زندہ اور فوت شدہ کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرے معنیٰ کے مطابق دونوں کا۔ اور اظہر یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک اپنی ذات شریف کے لیے ہو اور دوسرا اپنی امت ضعیفہ کے لیے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں اس حدیث میں وجوب قربانی کی بو پائی جاتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت سے اس کے لیے قربانی کرنا شمار کیا گیا ہو جس پر قربانی واجب تھی اور اس نے بوجہ غفلت و جہالت یا بھول کر قربانی نہیں دی۔ یہ سب کا سب آپ کی عادت معلومہ کے مطابق اپنی امت مرحومہ پر سراپا رحمت ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج سوم ص309)

۳۹-عن ابی هريرة رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا . ابن

ماجه حدیث نمبر 3123، کنز العمال حدیث نمبر 12159 ۔

تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ج 8ص 338

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو قربانی دینے کی وسعت ہے اور اس نے قربانی نہیں دی وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

یہ وہ حدیث مقدسہ ہے جس سے احناف نے وجوب قربانی کا استدلال کیا ہے اس کے متعلق مفصل بیان وجوب قربانی میں نقل کیا جاچکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۰-عن هشام بن عروه عن ابيه قال لايهدى احدكم لله ما يستحى ان يهدى لكريمه . الله اكرم الكرماء واحق من اختيرله . (مصنف عبدالرزاق ج4ص386)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا تم میں سے کوئی اللہ عزوجل کے لیے بطور ہدیہ وہ چیز نہ دے جو وہ چیز بطور ہدیہ اپنے کریم دوست کو دینے سے لیا کرتا ہے اور اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ تمام کریموں میں سے کریم ہے اور زیادہ مستحق ولائق کہ اچھی چیز ہدیہ کرنے میں اس کو اختیار کیا جائے۔ یعنی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اچھی قربانی پیش کرو۔ اور یہ تمہارا اس کے حضور اچھا تحفہ ہے۔ (واللّٰه ورسوله اعلم بالصواب)

بفضلہٖ تعالیٰ بندہ ناچیز نے چالیس احادیث مقدسہ "اربعین فی الاضحیه" قربانی کے متعلق نقل ہیں جن میں اکثر احادیث کا تعلق احکام قربانی سے اور کچھ احادیث قربانی کے فضائل میں ہیں۔ اور میں نے ان احادیث کے ضمن میں ائمہ مذاہب اور علماء مجتہدین نے جو احکام اخذ کئے ہیں اور ان کے درمیان جو اختلاف ہے بیان کیا ہے انشاء اللہ العزیز معتدل مزاج اور عقل سلیم رکھنے والا ان کو پڑھنے کے بعد خود فیصلہ کرے گا ان تمام مذاہب میں مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کتنا احوط واوسط اور أرجح واولی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں مذہب

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے بعد میت کی طرف سے قربانی کرنے کے متعلق بحث ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے اکثر ائمہ مساجد اور مجھ جیسے کم علم حضرات سے جب میت کی طرف سے قربانی کرنے کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے تو اس کا عجیب وغریب جواب دیا جاتا ہے۔ ویسے تو اگر کوئی ایک سے زائد قربانی دے تو کوئی حرج نہیں لیکن عموماً جب کوئی میت کی طرف سے قربانی کرنا چاہئے تو اسے کہا جاتا ہے جب تک وہ خود قربانی نہ دے میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں تو کیا اگر کوئی اپنے مال سے اپنے فوت شدہ کسی بہن بھائی یا والدین یا عزیز و اقارب کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس کا میت کی طرف سے قربانی دینے کے ساتھ اپنی قربانی دینا ضروری ہے۔ تو میں نے اس مسئلہ کو ضروری سمجھتے ہوئے اس کو الگ بیان کیا ہے تاکہ سامعین وقارئین اس سے استفادہ کرسکیں اور اس حقیقت سے آشنا ہوسکیں کہ ہمیں اس مسئلہ میں ازروئے شریعت کیا کرنا ہے اور اس مسئلہ کا شرعی نقطہ نظر کیا ہے اور علماء کرام کے نزدیک کیا اس پر عمل کر کے اپنے وجوب سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے یا نہیں "وما توفیقی الا باللہ"

میت کی طرف سے قربانی کی تحقیق انیق

علامہ ربانی سعد الملۃ والدین تفتا زانی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں۔

وفی دعاء لا حیاء للاموات او صدقھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم ای عن الاموات نفع لھم ای للاموات خلافاً للمعتزلہ ۔

(شرح عقائد نسفی ص250)

یعنی زندوں کا اموات کے لیے دعا کرنا اور ان کا مردوں کی جانب سے صدقہ کرنا مردوں کے لیے نفع ہے بخلاف معتزلہ کے۔ مولانا محمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیہ نظم الفوائد میں حاشیہ نمبر 6 میں فرماتے ہیں قال ابن عبدالبر فی التمھید قام الاجماع علیٰ انتفاع المیت بصدقۃ الحر عنہ و کفی بہ حجۃ ۔

علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''التمھید'' میں کہا کہ زندہ کا مردہ کی طرف سے صدقہ کرنے کے باعث میت کے انتفاع میں اجماع قائم ہوا ہے۔ اور حجت کے لیے یہی کافی ہے۔

معلوم ہوا جو ہم اپنے فوت شدگان کے لیے صدقہ وغیرہ کرتے ہیں اس کا میت کو نفع پہنچتا ہے۔ شارح بخاری علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ''المواھب اللدنیہ'' میں فرماتے ہیں۔

ھذا القیاس یقتضی جواز التضحیۃ عن المیت "بلا کراھۃ" فانھا ضرب من الصدقۃ ۔ (زرقانی علی المواہب ج5 ص408)

فرماتے ہیں یہ قیاس ''یعنی میت کی طرف سے صدقہ کرنا'' میت کی طرف سے قربانی کرنا بلا کراہت جواز کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ کی ایک قسم ہے۔ معلوم ہوا میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب ملتا ہے۔

صفحہ مذکورہ پر علامہ زرقانی ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

''بل یصح نحو الوقف عن المیت وللفاعل ثواب البر وللمیت ثواب الصدقة المرتبة علیه''

جبکہ صحیح ہے مثل وقف کی میت کی طرف سے اور وقف کرنے والے کے لیے وقف کا ثواب ہے اور میت کے لیے صدقہ کا ثواب۔ معلوم ہوا واقف کو وقف کا' جو ایک نیکی ہے' اس کا ثواب ملتا ہے۔ اور میت کے لیے جو اس پر مرتب ہونے والا صدقہ ہے اس کا ثواب ملتا ہے۔ سعد الدین تفتازانی اور علامہ قسطلانی پھر امام زرقانی کے اقوال سے ثابت ہوا میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی صدقہ کی ایک قسم ہے۔

اہل سنت و جماعت نے اس حدیث سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے سینگ والے اور سیاہ و سفید رنگ والے عید کے دن ذبح کئے ایک اپنی طرف اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔ یہ دلیل اخذ کی ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کے لیے کرنا یعنی اس کے ثواب کے لیے کرنا جائز ہے۔ وہ عمل خواہ عبادتِ بدنیہ سے متعلق ہو یا عبادت مالیہ سے جیسے نماز، روزہ، قربانی، تلاوت قرآن اور دیگر اذکار وغیرہ۔ اور امام مالک و امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک محض عبادت بدنیہ جیسے نماز، روزہ اور تلاوت وغیرہ کا ثواب غیر کو نہیں دیا جاسکتا بخلاف عبادت مالیہ کے جیسے صدقہ و حج وغیرہ۔ ان کا ثواب ان کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے۔ اور معتزلہ تمام عبادات کے مخالف ہیں ان کے نزدیک کسی کا اپنا عمل غیر کو نہیں دیا جاسکتا۔ ان کی دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ''ان لیس للانسان الا ماسعی'' ہے یعنی اس کے غیر کی سعی اس کی سعی نہیں۔ یعنی انسان کو اپنے عمل کے مطابق ملتا ہے۔ غیر کا عمل اس کے لیے باعث نفع نہیں۔ شیخ کمال الدین

المشہور با بن ہمام اپنی کتاب فتح القدیر میں اس کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔ اگر چہ اس آیہ مقدسہ کا ظاہر وہی ہے جو معتزلہ کہتے ہیں لیکن اس میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال یہ کہ یہ آیہ مقدسہ منسوخ ہے اور دوسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیہ مقدسہ مقید ہو۔ اور اس آیہ مقدسہ کو مقید کی طرف لے جانے کو جو چیز واجب کرتی ہے وہ ایک حدیث ہے جس کو مصنف عبدالرزاق نے روایت کیا اور جو صحیحین (یعنی بخاری و مسلم شریف) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبے سیاہ اور سفید رنگ والے قربانی دیئے۔ اور ان میں سے ایک اپنی ذات شریف کے لیے اور دوسری اپنی امت مرحومہ کے لیے۔ سنن ابن ماجہ میں "بسندہ" ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرنے کا قصد فرماتے تو دو مینڈھے بڑے اور موٹے سینگوں والے، سیاہ اور سفید رنگ والے اور خصی کئے ہوئے خرید فرماتے ان میں سے ایک اپنی امت کی طرف سے جنہوں نے اللہ عزوجل کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ کرنے کی شہادت دی اور دوسری اپنی ذات مقدسہ اور اپنی آل کے لیے ذبح فرماتے۔ اور اس حدیث کو امام احمد، حاکم اور طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حافظ ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء جلد 8 ص 127" ترجمہ ابن مبارک میں یحییٰ بن عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی دی ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔ اور امام حاکم نے مستدرک میں اس کی روایت کی اور کہا یہ حدیث شرط مسلم پر صحیح ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی اور اسی طرح اسحاق اور ابویعلی نے اپنے مسندوں میں اس کی روایت کی۔ حدیث ابورافع جو اس معنی پر دلالت کرتی ہے اس کو امام احمد، اسحاق، طبرانی، بزار اور حاکم نے روایت کیا۔ اور حذیفہ بن اسید غفاری کی حدیث کو امام حاکم نے فضائل میں روایت کیا اور حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

اور اسی طریق سے اس حدیث کو ابویعلی اور طبرانی نے روایت کیا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے روایت کیا۔ تو یہ حدیث مبارکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ لہٰذا ان ادلّہ شرعیہ کے درمیان حد مشترک ہے اور حد مشترک یہ ہے کہ غیر کے عمل سے نفع پانا بحد تواتر پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ حدیث ''انه ضحي بكبشين املحين'' باعتبار کثرت مخرجین اور روایت کرنے والوں کے مرتبہ مشہور تک پہنچ گئی ہے جس سے کتاب اللہ کا نسخ یا حکم کی تقیید جائز ہے۔ تو ابن ہمام کی تصریح کا ماحاصل یہ ہے کہ آیہ مقدسہ ''ان ليس للانسان الا ماسعى'' کا حکم اس وقت عام ہے جب کوئی عامل اپنی ذات کے لیے عمل کرے اور غیر کو اس کا ثواب نہ بخشے لہٰذا اس صورت میں اس کا عمل غیر کے لیے مفید و نافع نہیں۔ اور جب کوئی عامل اپنے عمل سے غیر کو نفع دینے کے لیے کرے تو اس کا عمل غیر کے لیے مفید و نافع ہے کیونکہ اس آیہ مقدسہ کو اس حدیث نے مقید کر دیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ آیہ مبارکہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیہ مبارکہ ہے ''واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم''

(سورۂ طور آیت 21)

جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی۔

اس آیہ کریمہ کے ماتحت صاحب تفسیر قرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت کی جس کو طبرانی نے معجم کبیر میں تخریج کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا تو وہ اپنے والدین، اپنی بیوی اور اولاد کے متعلق دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں۔ اس شخص سے کہا جائے گا کہ وہ تیرے عمل اور درجہ کو نہیں پہنچے۔ وہ شخص عرض کرے گا اے میرے ربّ میں نے اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین، بیوی اور اولاد کو اس کے ساتھ ملانے کا حکم دے گا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ

آیہ مقدسہ والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الخ تلاوت فرمائی۔

(معجم کبیر ج 11 ص 349۔ تفسیر قرطبی ج 17 ص 46)

صاحب تفسیر قرطبی نے اس کے بعد ایک اور حدیث نقل فرمائی۔ کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دو بچوں کے متعلق دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا وہ دونوں آگ میں ہیں۔ جب آپ نے میرے چہرہ پر ناپسندیدگی دیکھی تو فرمایا اے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اگر تم بھی ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم بھی ان دونوں کو مبغوض سمجھتیں۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو میری اولاد آپ سے ہے ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہیں پھر آپ نے فرمایا مومنوں کی اولاد جنت میں ہے اور مشرکوں کی اولاد جہنم میں ہے۔ پھر آپ نے یہ آیہ مبارکہ "والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان" آخر الآیۃ تک تلاوت فرمائی۔ معلوم ہوا اس آیہ کریمہ نے اس آیہ مبارکہ "ان لیس للانسان الا ماسعی" کو منسوخ کر دیا ہے۔ لہٰذا جو کوئی عمل غیر کے لیے بطور ایصال ثواب کرتا ہے اس کو اس عمل کا ثواب پہنچتا ہے۔ دار قطنی نے روایت کی کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا میرے والدین تھے جن کی ان کی حیات میں، میں ان کی خدمت کرتا تھا اب میں ان کی وفات کے بعد کیسے ان کی خدمت کر سکتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی وفات کے بعد تیری خدمت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کی نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کا روزہ رکھ۔ دار قطنی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قبروں پر جا کر "قل ھو اللہ احد" یعنی سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھی پھر اس کا ثواب صاحب قبور کو ہبہ کیا اس کو اس قبرستان میں جتنے مدفون ہیں ان کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے فوت شدگان کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور ان

کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں کیا یہ ان کو پہنچ جاتا ہے آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ وہ ان کو پہنچتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی کسی کو کوئی چیز ہبہ کرتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے اسی طرح فوت شدگان بھی اس ہدیہ سے خوش ہوتے ہیں۔ رواہ ابو حفص عکبری۔ یہی وہ حد مشترک ہے جو غیر کے عمل سے اس کو نفع پہنچنے میں حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔ (فتح القدیر ج سوم ص 65)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عمل غیر سے مردہ کو نفع پہنچتا ہے اس لیے علماء اہل سنت کے نزدیک جملہ عبادات کا ثواب خواہ ان کا تعلق عبادات بدنیہ سے ہو یا عبادات مالیہ سے میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اس مقدمہ کے بعد ثابت ہوا میت کی طرف سے قربانی کرنا بھی ایک صدقہ ہے جس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ میت کی طرف سے قربانی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

(صورت اوّل) یہ کہ میت کی طرف سے قربانی میت کی وصیت سے کی جائے یا مرنے والا اپنی زندگی میں کسی کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کا حکم دے یا میت کے مال سے میت کی طرف سے قربانی دی جائے۔ تو اس صورت میں اختلاف ہے کہ کیا قربانی میت کی طرف سے ہوگی یا میت کو اس کا فقط ثواب ملے گا اور قربانی۔ قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوگی۔ صاحب فتاویٰ شامیہ نے جیسا کہ اس کے بعد اس کا حوالہ پیش کیا جائے گا نقل کیا ہے کہ جیسے غیر کی طرف سے حج کرنے والے کو یعنی حج کا ثواب غیر کو ملے گا اور حج مامور کی طرف سے ہوگا۔ انہوں نے فتح القدیر کا حوالہ نقل فرمایا ہے تو ابن ہمام نے اپنی کتاب فتح القدیر میں نقل فرمایا کہ علماء کا اختلاف ہے کیا نفس حج آمر یعنی حکم دینے والے کی طرف سے ہوگا یا مامور کی طرف سے یعنی جس کو حج کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حج مامور کی طرف سے ہوگا اور حج کا حکم دینے والے کو خرچ کرنے کا ثواب ملے گا کیونکہ یہ عبادتِ بدنیہ ہے ابن ہمام فرماتے ہیں متاخرین میں سے ایک جماعت نے اس کو ترجیح دی ہے جیسے صدر الشھید، اسبیجانی اور قاضی خاں وغیرہ۔ یعنی آمر کو صرف ثواب ملے گا۔ اور مامور جس کو

حج کرنے کا حکم دیا گیا ہے حج اس کی طرف سے ادا ہو جائے۔معلوم ہوا صورت اوّل میں بھی اختلاف ہے باوجود اس کے صاحب فتح القدیر نے یہی قول پسند کیا ہے کہ حج کرنے والے کا حج ادا ہو جائے گا اور جس نے اس کو حج کرنے کا حکم دیا ہے اس کو اس کے خرچہ کا ثواب ملے گا۔صورت اوّل کی تحقیق میں علماء کرام کی چند آراء پیش خدمت ہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

سبعة نحروا ناقة عن سبعة واحد الشركاء وارث ميت يذبح عن مورثه الخ ۔ (فتاویٰ قاضی خاں آخرین ص333)

یعنی سات آدمیوں نے سات کی طرف سے اونٹنی نحر کی اور ان سات شریکوں میں سے ایک میت کا واث ہے تو جو وارث بتایا گیا ہے اس کی طرف سے ذبح کیا جائے۔

امام محمد رضی اللہ عنہ اس کے بعد فرماتے ہیں میت کا حصہ صدقہ کیا جائے اور وارث اس کا گوشت نہ کھائے۔امام محمد رضی اللہ عنہ فرماتے یہ اس وقت ہے جب وارث نے میت کے مال سے بحکم میت قربانی کی ہو۔زعفرانی نے ذکر کیا اگر ان کو میت کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ میت کی طرف سے قربانی کریں تو وارث نے میت کی طرف سے قربانی کی تو وارث کی طرف سے نفلی قربانی ہوگی اور میت کو ذبح کا ثواب ملے گا۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

رجل ضحی عن الميت جاز ولا يلزم التصدق بكل الا اذا كان بامره ۔ (فتاویٰ سراجیہ اخیرین ص116)

یعنی کسی شخص نے میت کی طرف سے قربانی کی تو جائز ہے اگر وہ میت کے حکم سے ہے تو تمام گوشت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔

فتاویٰ شامیہ میں ہے:

من ضح عن الميت يصنع كما يصنع فی اضحية نفسه من التصدق والاكل ولأجر للميت والملك للذابح قال الصدر والمختار انه أن بأمر الميت لا ياكل منها و الا ياكل "بزازيه"

(فتاویٰ شامیہ ج 5 ص 229)

جس نے میت کی طرف سے قربانی کی وہ اس میں اسی طرح کرے جیسے اپنی ذاتی قربانی میں کرتا ہے یعنی اس کے گوشت سے صدقہ کرے اور خود کھائے اور میت کے لیے ثواب ہوگا۔ اور ملک ذبح کرنے والے کا ہے۔ صدر الشریعہ نے کہا اور مختار یہ ہے کہ اگر وہ قربانی میت کے امر سے ہے تو نہ کھائے' ورنہ قربانی کا گوشت کھائے۔

جامع الرموز میں ہے:

وکذالوضحی عنه بامره من ماله و المختار ان لا یاکل لانها ملك الميت فيتصدق كما فی المضمرات .

(جامع الرموز ج دوم ص 364)

اور اسی طرح اگر کسی نے میت کے مال سے اس کے حکم کے مطابق قربانی کی تو مختار یہی ہے کہ وہ اس کا گوشت نہ کھائے کیونکہ وہ میت کے ملک ہے تو اس کو صدقہ کر دیا جائے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

سئل نصير رحمة الله عليه عن رجل ضحى عن الميتؐ قال الاجرله والملك هذا ۔ الخ ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج دوم ص 517)

امام نصیر رحمتہ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جس نے میت کی طرف سے قربانی کی۔ انہوں نے فرمایا ثواب میت کے لیے ہے اور ملک ذبح کرنے والے کا ہے۔

محمد بن مسلمہ، محمد بن مقاتل اور ابو مطیع نے اسی طرح کہا۔ عصام بن یوسف نے کہا سارا گوشت صدقہ کر دے۔ روضہ میں ہے کہ اگر میت نے وصیت کی کہ ہر سال اس

کے تیسرے حصہ مال سے قربانی دی جائے تو باتفاق روایات جائز ہے اور وہ اس طرح کرے جیسا کہ اپنی قربانی میں کرتا ہے یعنی اس کا گوشت کھائے۔ صدر الشہید رحمتہ اللہ علیہ نے فتاویٰ میں کہا اگر قربانی میت کے حکم سے ہے تو مختار یہی ہے کہ وہ اس کا گوشت نہ کھائے۔ اور "باب الباء" میں کہا اگر اس نے بغیر میت کی اجازت کے قربانی کی تو مختار یہی ہے کہ وہ گوشت کھائے۔

تو تمام عبارات فقہاء سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر میت کی وصیت یا اس کے مال سے اس کے حکم کے مطابق قربانی کی جائے تو اس کا گوشت نہ کھایا جائے بلکہ صدقہ کیا جائے اور یہی قول علماء کے نزدیک معتمد ہے۔

(صورت دوم) یعنی اگر کوئی شخص اپنے مال سے میت کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو کیا اس سے گوشت کھانا جائز ہے اور یہ قربانی ذبح کرنے والے پر اگر قربانی واجب ہو تو ادا ہو جائے گی؟ اس کے متعلق علماء کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

جامع الرموز میں ہے:

ولاطلاق دال علٰی انہ لوضحی عن میت بغیر امرہ من مال نفسہ جاز اکل المضحی لانہ المالك والثواب للمیت ۔

(جامع الرموز ج دوم ص 364)

اور اطلاق اس بات پر دال ہے کہ اگر کسی نے میت کی طرف سے بغیر اجازت میت اپنے مال سے قربانی کی تو قربانی کرنے والے کو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اور ثواب میت کے لیے ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

قال الزعفرانی ان فعل الوارث بمال نفسہ یکون ھو بمنزلة مالو نوی واحد من الشرکاء السبعة بنصیبہِ التطوع ۔

زعفرانی نے کہا اگر وارث نے اپنے مال سے میت کی طرف سے قربانی کی وہ اس کے قائم مقام ہوگا کہ سات شرکاء میں سے ایک نے اس قربانی میں نفلی حصہ ڈالا ہے۔ اور

میت کو اس کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ میت کے امر سے قربانی کرنے والے کی قربانی نفلی ہوگی۔ تو اس کے گوشت سے اس کو کھانا جائز ہے اور صاحب فتاویٰ قاضیخان نے کہا۔

ولو ضحی عن میت من مال نفسه بغیر امر المیت جاز وله ان یتناول منه ولا یلزمه ان یتصدق به لا نهالم تصر ملکا للمیت بل الذبح وصلی علٰی ملکه ولهذا لو کان علٰی الذابح اضحیه سقطت عنه ۔ وان ضحی عن میت من مال المیت بامر المیت یلزمه التصدق بلحمه ولا یتناول منه ۔

(فتاویٰ قاضی خاں آخرین ص 333)

اگر کسی نے اپنے مال سے میت کے حکم کے بغیر میت کی طرف سے قربانی کی تو جائز ہے۔ اور اس کو اس کا گوشت کھانا چاہئے۔ اور اس پر اس کے گوشت کا صدقہ کرنا لازم نہیں۔ کیونکہ وہ قربانی میت کے ملک نہیں بلکہ جو ذبح کا ملک حاصل ہو وہ ذابح کا ہے۔ اس لیے اگر ذبح کرنے والے پر قربانی ہے تو وہ قربانی اس سے ساقط ہو جائے گی۔

فتاویٰ شامیہ میں ہے:

اے لو ضحی عن میت وارثه بامره الزمه التصدق بها وعدم الأکل منها ۔ وان تبرع بهاعنه له الاکل لانه یقع علٰی ملك الذابح والثواب للمیت ولهذا لو کان علٰی الذابح واحدة سقطت عنه اضحته کما فی الاجناس ۔ قال الشرنبلالی لکن فی سقوطه الاضحیة عنه تامل ۔ اقول صرح فی فتح القدیر فی الحج عن الغیر بلا امرانه یقع عن الفاعل فیسقط به الغرض عنه ولا للآخر الثواب (فتاویٰ شامیہ ج5 ص236)

یعنی اگر میت کی طرف سے اس کے وارث نے میت کے حکم سے قربانی دی تو اس پر گوشت کا صدقہ کرنا لازم ہے اور اس طرح اس گوشت سے نہ کھانا بھی لازم ہے۔ اگر

اس شخص نے میت کی طرف سے بطور صدقہ قربانی دی تو اس کو اس گوشت کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ ذبح ذبح کرنے والے کے ملک میں واقع ہوا ہے۔ اور میت کے لیے ثواب ہے اس لیے اگر ذبح کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہے تو اس کی قربانی ساقط ہو جائے گی۔ جیسا کہ اجناس میں ہے شرنبلالی نے کہا لیکن ذبح کرنے والے کے ذمہ سے مسقوط قربانی میں تامل ہے۔ علامہ ابن العابدین فرماتے ہیں میں کہتا ہوں باب "الحج عن الغیر" میں۔ فتح القدیر میں ہے اگر کسی نے غیر کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر اپنے مال سے حج کیا تو وہ حج، حج کرنے والے کی طرف سے واقع ہوگا اور اس حج کے باعث اس سے حجۃ الاسلام یعنی فرض ساقط ہو جائے گا۔ جیسا کہ میں نے اس سے قبل بیان کیا۔

تو عبارات فقہاء اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے مال سے میت کے حکم کے بغیر بطور صدقہ میت کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس کو اس کے گوشت سے کھانا جائز ہے۔ اور اگر اس کے ذمہ قربانی واجب ہے تو وہ ساقط ہو جائے گی۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ اگر قربانی رہ جائے تو اس کی قضاء نہیں ہاں اگر قربانی کا جانور ہے تو وہ قربانی کے بعد اس کو صدقہ کر دے۔ اگر قربانی کی قضا ہوتی تو آئندہ سال اس پر دو قربانیاں واجب ہوتیں ہیں۔ معلوم ہوا قربانی کی قضاء نہیں تو پھر وہ کونسی قربانی ہے جو ذبح کرنے والے سے ساقط ہو جائے گی۔ یہ وہی قربانی ہے جو ایام نحر میں اس پر واجب ہے۔ معلوم ہوا' اگر کوئی شخص میت کی طرف سے بطور صدقہ اپنے مال سے اور میت کے حکم کے بغیر قربانی کرتا ہے تو اس کا واجب ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جو ہمارے عوام بلکہ ائمہ کرام طبقہ میں مشہور ہے کہ اگر کوئی میت کی طرف سے قربانی کرنا چاہئے تو اس کو اپنا حصہ قربانی بھی ضرور ڈالنا چاہئے یعنی جب تک وہ اپنی قربانی نہ دے میت کی طرف سے قربانی نہیں ہو سکتی۔ یعنی اس پر دو قربانیاں واجب ہیں ایک اپنی طرف سے اور ایک میت کی طرف سے۔ تو فتاوٰی قاضی خاں اور پھر فتاوٰی شامیہ نے وضاحت کر دی کہ میت کی طرف سے قربانی کرنے سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اگر میت کی

طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس کی قربانی ساقط ہو جائے۔ جیسا کہ غیر کی طرف سے حج کرنے والے کا اپنا حجۃ الاسلام یعنی فرض ساقط ہو جاتا ہے اور ثواب میت کو مل جاتا ہے اس طرح میت کی طرف سے قربانی کرنے والے کا اپنا وجوب ساقط ہو جائے گا اور میت کو اس قربانی کا ثواب ملے گا۔ ''فافهم هذا وتدبّر لانه هذا من مزلة الاقدام''

مسائل قربانی

برادران اسلام! قربانی کے متعلقہ کچھ مسائل احادیث نبویہ علی صاحبھا التحیة والثنا کے ماتحت بیان کردیے گئے ہیں اور کچھ ضروری مسائل اب بیان کئے جاتے ہیں۔

لفظ ''اضحیۃ'' کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں۔ ''اضحیہ'' کے معنی میں لغتاً اور شریعتاً عبارات شراح میں اختلاف ہے۔ صاحب نہایہ فرماتے ہیں۔

''اما لغة فالاضحية اسم شاة ونحوها تذبح فی یوم الاضحی''

یعنی لغتاً ''اضحیہ'' بکری یا اس کی مثل وہ حیوان جس کی قربانی جائز ہے کا نام ہے جو قربانی کے دن ذبح کی جائے۔

صاحب عنایہ اور معراج الدرایہ فرماتے ہیں۔

''الاضحية فی اللغة اسم مایذبح فی یوم الاضحی''

اضحیہ لغت ' ں اس حیوان کا نام ہے جو قربانی کے دن ذبح کیا جائے۔

اور صاحب کافی اور کنایہ فرماتے ہیں۔

''ھی ما یضحی بھا ای یذبح''

جو حیوان اس دن ذبح کیا جائے اس کا نام لغتاً اضحیہ ہے۔

اور شرعاً اضحیہ کا معنی یہ ہے۔

فاالاضحية اسم الحیوان مخصوص وھوالابل والبقر والضان

والمعز بسن مخصوص هوالثنى فصاعدا من هذه الانواع الاربعة والجذع من الضان يذبح بنية القربة فى يوم مخصوص وهو يوم الاضحى ۔ (فتح القدیر)

اضحیہ مخصوص حیوان کا نام ہے اور وہ اونٹ، گائے، دنبہ بکری جن کی عمر مخصوص ہو اور وہ ثنی ہے ان چار قسموں کے حیوان سے یا اس سے زیادہ ہو (یعنی ثنی سے زیادہ عمر ہو) اور جذع بھیڑ سے ہے۔ جو نیت قربت' قربانی کے دن ذبح کیا جائے۔ جبکہ اس کی شرائط اور سبب پایا جائے۔

وجوب قربانی کی شرائط

''اسلام''

غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔

''اقامت''

یعنی مقیم پر قربانی واجب ہے۔ مسافر پر نہیں ''یسار'' یعنی مالدار ہونا، صاحب نصاب ہونا یہاں نصاب سے وہ نصاب مراد ہے جس پر صدقہ عیدالفطر واجب ہے نہ کہ وہ نصاب جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

''آزاد ہونا''

غلام پر قربانی واجب نہیں۔ مرد ہونا قربانی کے لیے شرط نہیں عورت پر بھی قربانی واجب ہے۔

ان شرائط کا تمام وقت متحقق ہونا لازمی نہیں بلکہ قربانی کے لیے مقرر ہے اس وقت کے کسی جز میں شرائط کا پایا جانا قربانی کے وجوب کے لیے کافی ہے۔ مثلاً کافر تھا ایام قربانی میں مسلمان ہوگیا۔ مسافر تھا مقیم ہوگیا۔ غلام تھا آزاد ہوگیا۔ فقیر تھا غنی ہوگیا۔ ان تمام مثالوں میں اگر قربانی کی شرائط پائی جاتی ہوں تو قربانی واجب ہے۔ (عالمگیری)

اور وجوب قربانی کا سبب وقت ہے اور وہ قربانی کے تین دن ہیں جب وقت آ گیا

اور شرائط وجوب پائی گئیں۔قربانی واجب ہو جائے گی۔

اور رکن قربانی وہ جانور ہے جس کا قربانی کے لیے ذبح کرنا جائز ہے لہٰذا مرغی وغیرہ کا ذبح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ مجوس کے مشابہ ہے۔(بزازیہ)

قربانی کا حکم:

جو قربانی اس کے ذمہ واجب ہے اسکے کر لینے سے وہ بری الذمہ ہو گیا خلوص نیت سے کی ہے تو اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے انشاء اللہ آخرت میں ضرور ثواب ملے گا۔

جب مذکورہ شرائط پائی جائیں تو ایک بکری کی قربانی دینا، یا اونٹ اور گائے میں سے کسی ایک میں ساتواں حصہ قربانی کی نیت سے ڈالنا واجب ہے۔اگر حصہ میں کمی ہو تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

غنی سے مراد وہ مالدار ہے جس کے پاس دو سو درہم ہوں یا سامان وغیرہ اپنے گھر، خادم اور کپڑے جو پہنتا ہے وغیرہ کے علاوہ دو سو درہم کے مساوی ہے۔اور قربانی میں غنا سے مراد وہی غنا ہے جس سے صدقہ عیدالفطر واجب ہوتا ہے۔

اقسام قربانی

''اوّل'' غنی اور فقیر دونوں پر واجب ہے۔

''دوم'' فقیر پر واجب ہے غنی پر نہیں۔

''سوم'' غنی پر واجب ہے فقیر پر نہیں۔

قسم اوّل کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں نے قربانی کی منت مانی کہ اللہ عزوجل کے لیے مجھ پر بکری یا گائے کی قربانی کرنا ہے یا یوں کہے کہ اس بکری یا گائے کی قربانی کرنی ہے اس صورت میں دونوں پر واجب ہے کیونکہ انہوں نے خود اس کو اپنے لیے واجب کیا ہے۔ دوسری قسم کی صورت یہ ہے کہ فقیر نے قربانی دینے کے لیے جانور خریدا۔فقیر صرف قربانی کا جانور خریدنے سے وجوب قربانی کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن غنی کے لیے قربانی کا جانور خریدنے سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ تیسری قسم کی صورت یہ ہے کہ قربانی کا واجب ہونا نہ خریدنے سے اور نہ منت ماننے سے ہو بلکہ جو

زندگی اللہ عزوجل نے اس کو عطا فرمائی ہے اس کے شکریہ میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرنے کی خاطر جو قربانی واجب ہے وہ صرف غنی پر واجب ہے۔

قربانی کے وجوب سے مراد قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے جیسا کہ صاحب ''جوھرہ نیرہ'' نے کہا کہ قربانی کے وجوب سے مراد اس کا خون بہانا اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے عین حیوان قربانی کو صدقہ کردیا تو قربانی جائز نہیں اور قربانی کرنے کے بعد اس کے گوشت کا صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔ معلوم ہوا قربانی کا وجوب اس وقت پورا ہوتا ہے جب وہ اس کو ذبح کرے۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ اس کی قیمت وصول کر کے بکرے کی اتنی قیمت اور گائے اور اونٹ کے ساتویں حصہ کی اتنی قیمت دے دو ہم قربانی کشمیر میں یا فلاں جگہ کریں گے۔ قربانی کرتے ہیں ان کی قربانی جائز نہیں۔ اکثر ائمہ فقھاء نے ارقام فرمایا ہے: ولا فضل ان یذبح اضحیته بیده ان کان یحسن الذبح وان کان لایحسنه فالا فضل ان یستعین بغیره . واذا استعان بغیره ینبغي اٰن یشهد هابنفسه لقوله علیه السلام لفاطمة رضی الله عنها قومی فا اشهدی اضحیتك فانه یغفرلك باول قطرة من دمها كل ذنب .

(ھدایہ شریف۔ مجمع الانھر۔ جامع الرموز۔ ردالمختار)

مستحب اور افضل یہ ہے کہ صاحب قربانی اپنے ہاتھ سے قربانی ذبح کرے ''کیونکہ یہ عبادت ہے'' اگر وہ اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہے۔ اگر وہ اچھی طرح ذبح کرنا نہیں جانتا تو وہ کسی دوسرے سے مدد لے۔ اور جب اس نے کسی دوسرے سے مدد لی۔ تو چاہئے کہ خود وہ اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو جاؤ اور اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ کیونکہ قربانی کے جانور کے خون کے پہلے قطرہ سے تمہارے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

لہٰذا قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ اگر نہیں کرسکتا تو بذات خود قربانی کے پاس

حاضر ہونا مستحب ہے صاحب ہدایہ ایک اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں اس میں مستحب اور بھی ہیں ''اول'' جو جانور اس نے معین کیا وہ اس کی قربانی دینے والا ہے۔ (دوم) اس معین کو جلدی ذبح کرنا ہے۔

اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ قربانی کے پیسے وغیرہ دے دیتے ہیں اور انہیں قربانی کے متعلق معلوم نہیں اور نہ ہی وہ اس معین قربانی کے پاس موجود ہیں۔ تو ایسی صورت میں ان کی قربانی جائز نہیں۔ ''واللہ ورسولہ اعلم۔''

کسی کا اپنی بڑی اولاد اور بیوی کی طرف سے بغیر ان کی اجازت کے قربانی کرنا جائز نہیں اور چھوٹی اولاد میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ظاہر روایت میں مستحب ہے واجب نہیں، بخلاف صدقہ فطر کے۔ اور امام حسن کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔ اور فتویٰ ظاہر روایت پر ہے اور اگر چھوٹا بچہ صاحب مال ہو تو بعض مشائخ کے نزدیک باپ پر اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں، ھدایہ)

مسئلہ: ایک شخص نے قربانی کے لیے بکری خریدی اور اپنی زبان سے اس کو واجب کیا۔ پھر اس نے دوسری بکری خریدی تو امام محمد اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق پہلی کو فروخت کرنا جائز ہے۔ اگر پہلی بکری کی قیمت زیادہ تھی اور دوسری بکری کی قیمت کم تو اوّل بکری کی جتنی قیمت زیادہ بنتی ہے وہ صدقہ کرے کیونکہ جب اس شخص نے اپنی زبان سے اس کو واجب کیا تو اس کی مالیت کی تعداد اللہ عزوجل کے لیے ہوگئی۔ لہٰذا اس کی زائد قیمت اپنے لیے استعمال نہ کرے بلکہ اللہ عزوجل کی راہ میں صدقہ کرے۔

(عالمگیری، فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ: بلوغ اور عقل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرائط وجوب میں سے نہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرائط وجوب

میں سے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے مال میں سے اگر چہ وہ غنی ہوں قربانی واجب نہیں۔ ''خانیہ'' میں ہے جس کو جنوں ہوتا ہے اور پھر افاقہ ہو جاتا ہے وہ صحیح کے مثل ہے مگر یہ کہ ان کا جنون وافاقہ ایام نحر میں ہو۔ تو اس کے جنون وافاقہ کا اس کے حال کے مطابق اعتبار کیا جائے گا۔ اگر وہ ایام نحر میں بحالت جنوں ہے تو اس میں اختلاف ہے اور افاقہ کی حالت میں ہے تو بلا خلاف اس پر قربانی واجب ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جب کسی نے ھدی متعہ کے لیے اونٹ خریدا تو اس کو خاص اپنی ذات کے لیے واجب کر لینے کے بعد اس نے اس میں چھ آدمی اور شریک کر لیے تو جائز نہیں۔ اس لیے کہ جب اس نے اس کو واجب کیا ہے تو وہ کل اس پر واجب ہے بعض شرع کے واجب کرنے سے اور بعض خود اپنے آپ پر واجب کرنے سے۔ اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس پر اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔ اگر خریدتے وقت اس نے چھ آدمیوں کی شرکت کی نیت کی تھی تو جائز ہے کیونکہ اس نے خریدتے وقت کل کو اپنے آپ پر واجب نہیں کیا اور اگر خریدتے وقت اس کی یہ نیت نہیں تھی اور نہ ہی اس نے اس کو اپنے آپ پر واجب کیا حتیٰ کہ اس نے اس میں چھ حصہ داروں کو شریک کر لیا تو جائز ہے۔ افضل یہ ہے کہ خرید کی ابتداء ان میں سے ہو یا ان میں سے کسی ایک سے جو باقی لوگوں کے امر سے خرید کرے یہاں تک کہ ابتداء میں ہی ان کی شرکت ثابت ہو جائے۔ علامہ ابن العابدین شامی فرماتے ہیں شاید کہ یہ حکم فقیر پر محمول ہو۔ یا اس پر جس نے نذر ماننے کے ساتھ اس کو خود پر واجب کر لیا ہو۔ یا ھدی اور اضحیہ کے درمیان تفریق کرنا ہو۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جب بکری اور اونٹ کی قیمت برابر ہو تو بکری کا قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت طیب ہے۔ اور بعض کے نزدیک گائے افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت زیادہ ہے۔ اور گائے کے ساتویں حصہ سے بکری قربانی دینا افضل ہے۔ جبکہ وہ دونوں قیمت اور گوشت میں برابر ہوں کیونکہ بکری کا گوشت طیب ہے۔ اور اگر گائے کے ساتویں حصہ کا گوشت زیادہ ہو تو گائے میں حصہ ڈالنا افضل ہے۔ اور جب قیمت

اور گوشت میں وہ دونوں مختلف ہوں تو ان دونوں میں سے فاضل (یعنی جس کا گوشت زیادہ ہو) افضل ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ: جب غنی نے قربانی کا جانور خریدا اور وہ گم ہوگیا اور اس نے دوسرا جانور خرید لیا۔ پھر ایام نحر میں پہلا جانور بھی مل گیا تو اس کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جسے چاہے قربانی کرے۔ اور اگر تنگ دست نے قربانی کے لیے بکری خریدی اور اس کو اپنی زبان سے اپنے آپ پر واجب کرلیا اور وہ گم ہوگئی۔ پھر اس نے دوسری بکری خریدی اور اس کو اپنے آپ پر واجب کیا پھر پہلی بکری بھی مل گئی تو اس پر دونوں کی قربانی واجب ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

اس میں فرق یہ ہے کہ خریدنے کی وجہ سے فقیر پر وہ قربانی واجب ہوگئی تھی۔ اور خریدنا متعدد ہوگیا اور شرع کے واجب کرنے سے وجوب بھی متعدد ہوگیا لہٰذا فقیر دونوں کی قربانی کرے اور شرع نے صرف ایک قربانی واجب کی ہے اور وہ غنی پر ہے لہٰذا وہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی قربانی کرے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: اضاحی الزعفرانی میں ہے جب فقیر نے پہلی کے بدل دوسری قربانی کو اپنے آپ پر واجب کیا تو اس کو چاہئے کہ ان دونوں میں جسے چاہے ذبح کرے اور اس میں غنی اور فقیر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہاں جب پہلی قربانی خریدنے کے بعد اس نے دوسری قربانی کو ابتدا میں ہی اپنے آپ پر واجب کرلیا تو دونوں کی قربانی کرے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: اگر کسی نے قربانی کے لیے بکری خریدی اور وہ مرگئی یا اس کو فروخت کردیا تو فقیر پر قربانی واجب نہیں اور غنی پر دوسری قربانی واجب ہے۔

مسئلہ: جب فقیر کی قربانی کا جانور چوری ہوگیا اور اس نے دوسرا جانور قربانی کے لیے نہیں خریدا تو اس پر دوسری قربانی واجب نہیں۔ اور غنی پر دوسری قربانی واجب ہے۔ کیونکہ فقیر پر وجوب خریدنے کی وجہ سے تھا اور وہ صرف اس معین کو شامل تھا تو اس کی قربانی واجب تھی اور اس معین کے ہلاک ہونے کی وجہ سے اس پر واجب ساقط ہوگیا

لہٰذا فقیر پر دوسری قربانی واجب نہیں۔ اور غنی پر شرع کے واجب کرنے سے قربانی واجب ہے اور شرع نے اس معین کو اس پر واجب نہیں کیا لہٰذا اس معین کے ہلاک ہونے کی وجہ سے غنی پر واجب ساقط نہیں ہوگا لہٰذا وہ دوسری قربانی دے کیونکہ اس پر شرع نے قربانی واجب کی ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی)

مسئلہ: نظم زندیسی میں ہے پانچ احوال ایسے ہیں کہ جب ملک غیر سے کوئی چیز لے اور اس سے قربانی کرے تو قربانی جائز ہے لیکن اس کی قیمت کا ضامن ہے۔

''اوّل'' جس نے کسی کی بکری غصب کی اور قربانی کردی۔

''دوم'' کسی کی بکری چوری کی اور اس کی قربانی کردی۔

''سوم'' اگر کسی نے اپنی چھوٹی یا بڑی اولاد سے غصب کی اور قربانی دی۔

''چہارم'' اگر اس نے اپنے عبد ماذون سے جو قرض میں مستغرق ہے سے غصب کر کے قربانی دی۔

''پنجم'' خرید فاسد...... ان سب احوال میں قربانی تو ہو جائے گی لیکن اس کی قیمت کا وہ ضامن ہوگا۔

مسئلہ: اور چھ احوال میں قربانی جائز نہیں۔ ''اوّل'' جب کسی نے کسی کے پاس بکری بطور ودیعت رکھی اور اس نے بغیر اجازت مودع ذبح کردی قربانی جائز نہیں۔

''دوم'' کسی کے پاس بطور رعایت رکھی اور اس نے عاریۃ دینے والے کی اجازت کے بغیر ذبح کردی یہ قربانی بھی جائز نہیں۔

''سوم'' کسی نے سرمایہ کاری کے لیے کوئی چیز لی اور اس نے صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر قربانی دی یہ بھی جائز نہیں۔

''چہارم'' کسی کے پاس بطور رہن رکھی اور اس نے مرتہن کی اجازت کے بغیر قربانی کی تو یہ قربانی جائز نہیں۔

''پنجم'' وکیل خواہ وہ بکری کے خریدنے کا وکیل ہو یا حفاظت مال کا جب اس نے اپنے موکل کی اجازت کے بغیر قربانی کی تو قربانی جائز نہیں۔

''ششم'' زوج اور زوجہ جب ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کی بکری اپنی ذات کے لیے بغیر اجازت کے قربانی دی تو جائز نہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: اگر کسی نے قربانی کے لیے بکری خریدی پھر اس کو فروخت کر دیا اور ایام نحر میں دوسری خریدی تو یہ مسئلہ تین وجوہ پر مشتمل ہے۔

''اوّل'' جب اس نے بکری خریدی اور اس کی نیت قربانی کی تھی۔

''دوم'' اس نے بلانیت قربانی خریدی پھر قربانی کی نیت کی۔

''سوم'' بلانیت قربانی خریدی پھر اپنی زبان سے اس کو قربانی دینے کے لیے واجب کرلیا اور کہے میں اللہ عزوجل کے لیے اس سال اس کی قربانی دوں گا۔

پہلی صورت میں ظاہر روایت کے مطابق وہ قربانی نہیں ہوگی جب تک اس کو زبان سے اپنے آپ پر واجب نہ کرے۔ اور دوسری صورت میں امام حسن کی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں وہ قربانی نہیں ہوگی حتیٰ کہ اگر وہ اس کو فروخت کردے تو جائز ہے۔ ''وبہٖ فأخذ'' اور تیسری صورت میں کہ جب اس نے بکری خریدی اور اس کو اپنی طرف سے خود پر واجب کرلیا تو تمام کے قول کے مطابق وہ قربانی ہی ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری۔ فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ: سات آدمیوں نے قربانی کے لیے گائے خریدی تو ان میں سے ایک کی نیت اس سال کی قربانی کی ہے اور دوسرے ساتھیوں کی نیت گزشتہ سال کی قربانی کی ہے۔ علماء نے کہا اس کی ایک قربانی جائز ہے اور باقی چھ ساتھیوں کی باطل۔ اور ان کی قربانی نفلی ہو جائے گی اور ان پر اس کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور اس ایک کا بھی اپنا حصہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ: اگر قربانی کی بکری نے بچہ جنم دیا تو اس بچے کو ذبح کیا جائے۔ اور اگر کسی نے اس بچہ کو آئندہ سال تک چھوڑ دیا اور آئندہ سال اس کی قربانی کی تو جائز نہیں۔ اگر اس کی قیمت پہلے سال دو درہم تھی تو اس نے ایام نحر کے بعد دو درہم صدقہ کردے اور آئندہ سال تک وہ بڑا ہو گیا اور اس کی قیمت بیس درہم ہو گئی۔ اور اس نے آئندہ سال

اس کی قربانی کردی تو جائز ہے کیونکہ اس نے بچے کی قیمت صدقہ کردی ہے اور جو اس پر حق تھا اس نے ادا کردیا ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ: اگر کسی غنی مرد یا عورت نے ایک اونٹ اپنی طرف سے قربانی کیا تو عامۃ العلماء کے نزدیک اس اونٹ کے تمام کے تمام کی قربانی واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں۔ فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ: اگر سات شریکوں میں سے ایک شریک ایام نحر میں فوت ہوگیا اور وارثوں نے "جو کہ بڑے ہوں" کہا تم اپنی طرف اور میت کی طرف سے گائے یا اونٹ کی قربانی کرو تو تمام کی طرف سے قربانی صحیح ہے۔ اور اگر انہوں نے بلا اجازت میت کے ورثاء کے قربانی کردی تو ان سب کی طرف سے جائز نہیں ہوگی کیونکہ اس قربانی کے بعض میں قربت واقع نہیں ہوئی اور پہلی صورت میں تمام کی طرف سے بقصد قربت قربانی دی گئی ہے وہ سب کی طرف سے جائز ہے۔ (ردالمحتار۔ خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بدائع" میں ہے موت میت سے تقرب کو ممنوع نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اور اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے دو دنبے ذبح فرمائے ایک اپنی طرف سے اور ایک ان کی طرف سے جنہوں نے آپ کی امت سے قربانی نہیں کی۔ اگرچہ ان میں سے کچھ ذبح کرنے سے پہلے وفات پاچکے ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر ولایت اتفاقی ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: سات آدمیوں نے ایک اونٹنی سات کی طرف سے ذبح کی اور ان سات شریکوں میں سے ایک میت کا وارث ہے جو اپنے مورث کی طرف سے قربانی کررہا ہے تو چھ شریک اپنا اپنا گوشت کا حصہ لیں اور میت کا حصہ صدقہ کیا جائے اور وارث اس گوشت سے نہ کھائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے جب وارث نے میت کے مال اور اس کے حکم کے مطابق قربانی دی ہو۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ: قربانی کی گائے میں سات شریک ہیں اور ان سات میں سے ایک بچہ

ہے جس کی طرف سے اس کا باپ قربانی دے رہا ہے یا مجنون ہے اور اس کا والد اس کی طرف سے قربانی کر رہا ہے۔ یا ام ولد مسلمہ ہے اس کی مالکہ اس کی طرف سے قربانی دے رہی ہے تو تمام کی طرف سے قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں، خلاصۃ الفتاویٰ)

شرکائے قربانی میں سے بعض کی نیت قربانی کی ہے اور بعض کی ہدی متعہ کی اور بعض کی ھدی قران کی اور بعض کی جزاء صید کی اور بعض کی جو اس کا اس سال بچہ پیدا ہوا ہے اس کے عقیقہ کی۔ تو ظاہر روایت میں ہے کہ ان سب کی طرف سے جائز ہے۔ اگر چہ جہات مختلف ہیں لیکن مقصود و متحد ہے یعنی قربت خداوندی کا ارادہ وقصد فتاویٰ قاضی خاں۔ فتح القدیر۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: گائے یا اونٹ کی قربانی ہو تو گوشت شرکاء میں وزن کر کے تقسیم کیا جائے کمی و بیشی کی صورت میں ایک دوسرے کو معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوگا کیونکہ وزن کر کے گوشت تقسیم کرنا شرع کا حق ہے بندہ شرع کے حق کو معاف نہیں کر سکتا۔
(درمختار - ردالمحتار، فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ: قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے لیکر ذی الحجہ کی بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یہ تین دن اور دو راتیں بنتی ہیں۔ ان تین دنوں کو ایام نحر کہا جاتا ہے اور گیارہ ذوالحجہ تک ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ اب وسط کے دو دن یعنی گیارہویں اور بارہویں یوم النحر بھی ہیں اور یوم تشریق بھی۔ اور قربانی کا پہلا دن یعنی دسویں ذوالحجہ صرف یوم النحر ہے اور اسی طرح آخری دن یعنی تیرھویں ذوالحجہ صرف یوم التشریق ہے دسویں ذوالحجہ کی بعد کی راتیں ایام نحر میں شمار کی جائیں گی لیکن رات کو قربانی کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ: پہلے دن قربانی کرنا سب سے افضل ہے اور پھر اس کے بعد دوسرا دن اور پھر تیسرا دن۔ اگر شہر میں قربانی کرے تو شرط یہ ہے کہ نماز عید ادا ہو جانے کے بعد کرے۔ اور اگر شہر میں کئی مقامات میں نماز عید ادا کی جاتی ہے تو عیدگاہ کی نماز کا اعتبار نہیں۔ کسی ایک مسجد میں نماز عید ہو جائے تو قربانی کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ: قربانی کے دن گزر گئے اور جس پر قربانی واجب تھی اس نے قربانی نہیں کی اور ایام نحر گزر جانے کے بعد قربانی جائز نہیں تو اگر قربانی معین کر رکھی ہے (یعنی منت مانی ہے) تو فقیر اور غنی دونوں پر لازم ہے کہ قربانی کے معینہ جانور کو زندہ صدقہ کر دے اور اگر ذبح کر کے گوشت غرباء اور مساکین میں تقسیم کیا تو وہ خود اس سے نہیں کھا سکتا کیونکہ یہ صدقہ ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں۔ عالمگیری)

مسئلہ: قربانی کے جانور سے ذبح کے وقت زندہ بچہ نکلا تو عامۃ العلماء کے قول کے مطابق اس کو ماں کے ساتھ ہی ذبح کیا جائے اور اگر اس کو ذبح نہیں کیا حتیٰ کہ ایام نحر گزر گئے تو اس کو زندہ صدقہ کر دے۔ اور اگر وہ بچہ ہلاک ہو گیا یا اس کو ذبح کر کے کھا لیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔ اور وہ بچہ اس کے پاس رہا حتیٰ کہ بڑا ہو گیا اور آئندہ سال اس کی قربانی کی تو جائز نہیں۔ لہٰذا اس سال کی قربانی اس پر واجب ہے وہ دوسری قربانی کرے۔ اور اس مذبوح کو بمع نقصان جو کہ ذبح سے لاحق ہوا اس کی قیمت اور مذبوحہ کو صدقہ کرے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

قربانی کے جانوروں کے بیان میں

صاحب فتاویٰ قاضی خاں نے لکھا ہے قربانی کے جانور چار قسم کے ہیں۔ اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ۔ ہر قسم میں ان کی جتنی نوعیں ہیں سب داخل ہیں۔ نر اور مادہ۔ خصی اور غیر خصی سب کا حکم برابر ہے یعنی سب کی قربانی ہو سکتی ہے۔ بھینس گائے میں شمار ہے اس کی بھی قربانی ہو سکتی ہے۔

قربانی کے جانور کی عمر

قربانی کے جانوروں کی عمریں یہ ہونی چاہئے اونٹ پانچ سال کا ہو اور چھٹے سال میں جا رہا ہو۔ اس کو ''سدیس اور بازل عام'' کہتے ہیں۔ گائے دو سال کی ہو اور تیسرے میں قدم رکھتی ہو۔ بکری ایک سال کی ہو اور دوسرے سال میں قدم رکھتی ہو۔ اس سے کم عمر ہو تو قربانی جائز نہیں زیادہ ہو تو جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ ہاں دنبہ یا بھیڑ کا بچہ جو چھ ماہ کا ہو اور اتنا فربہ ہو کہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ اور بعض کے نزدیک سال کا اکثر گزر گیا ہو یعنی آٹھ ماہ کا ہو یا سات ماہ کا اور صحیح روایت کے مطابق جس پر چھ ماہ گزر گئے ہوں اور ساتویں میں قدم رکھتا ہو۔

مسئلہ: مینڈھا بھیڑ سے اور دنبہ دنبی سے افضل ہے جب کہ دونوں کی قیمت ایک ہو اور گوشت برابر ہو۔ بکری بکرے سے افضل ہے لیکن اگر بکرا خصی ہو تو بکری سے افضل ہے۔ اونٹنی اونٹ سے اور گائے بیل سے افضل ہے جبکہ گوشت اور قیمت میں دونوں برابر ہوں۔

۹۔ مسئلہ: قربانی کے جانوروں کو عیب سے خالی ہونا چاہئے اگر تھوڑا سا عیب ہو تو قربانی ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے ''ملتقم زندویسی'' کے حوالہ

سے نقل کیا کہ پندرہ آفات یعنی عیوب قربانی کے جواز سے مانع نہیں۔ جس کے دانت نہیں اگر وہ چارہ کھاتا ہو تو ظاہر اصول میں اس کی قربانی جائز ہے امام ابو یوسف سے روایت ہے مطلقاً جائز نہیں۔ اور تجرید میں حضرت امام ابو یوسف سے ہی روایت ہے اگر اتنے دانت باقی رہ گئے ہوں جس سے وہ چارہ کھالے تو جائز ہے۔ اور ''اجناس'' میں ہے کہ مطلقاً جائز نہیں۔ اگر بکری کی زبان نہیں تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر گائے کی زبان نہیں تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی جائز ہے اور اگر سینگ ہڈی کے نرم مونہہ (یعنی سینگ) تک ٹوٹ جائیں تو ناجائز ہے۔ جس جانور کے کان چھوٹے ہوں یا جن کے کان میں سوراخ ہو یا اعلیٰ سے اسفل تک چرے ہوں تو قربانی جائز ہے۔ اگر اس کے پیدائشی کان نہیں یا دونوں میں سے ایک مکمل کان نہیں تو اس کی قربانی ناجائز ہے۔ امام حسن نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اگر اس کے پیدائشی کان نہیں تو جائز ہے اور اس طرح امام محمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ خارش والا جانور اگر فربہ ہو تو جائز ہے اور اگر وہ اتنا لاغر ہو کہ ہڈی میں مغز نہ رہا ہو تو قربانی جائز نہیں۔ اور جنون والا جانور بھی جائز ہے اگر وہ چرتا ہو۔ اگر اس کا جنون اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ چرتا نہیں تو اس کی قربانی ناجائز ہے۔ اور لنگڑا جانور جو اپنے تین پاؤں سے چلتا ہو اور کبھی کبھی چوتھا پاؤں بھی زمین پر رکھتا ہو اور اس سے چلنے میں مدد لیتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر وہ جانور اپنا چوتھا پاؤں زمین پر لگاتا ہی نہیں تو اس کی قربانی ناجائز ہے۔ اور وہ جانور جو مجبوب ہو یعنی اس کے خصیے اور عضو تناسل کٹے ہوئے ہیں اس کی قربانی جائز ہے۔ اور وہ جانور جس کو کھانسی لگی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ وہ جانور جو اتنا بوڑھا ہو گیا ہو کہ نسل کے قابل نہ رہا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ اور وہ جانور جو بوجہ بڑھاپا پیدائش کے قابل نہ ہو اس کی بھی قربانی جائز ہے اور وہ جانور جو داغا گیا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے اور جس جانور کے بلا علت دودھ نہ اترتا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ اور جس جانور کا بچہ ہو اس جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک

روایت میں جس جانور کی پیدائشی دم نہ ہواس کی قربانی جائز ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: بھینگے جانور کی قربانی جائز ہے، اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اتنا کانا جانور کہ اس کا کانا پن ظاہر ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور اتنا لاغر کہ اس کی ہڈی میں مغز نہ رہا ہو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں اور جانور اتنا لنگڑا ہو کہ وہ چل کر قربان گاہ تک نہ جا سکے اس کی بھی قربانی جائز نہیں۔ اور وہ جانور جس کی بیماری ظاہر ہو اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ جس جانور کے کان یا دم یا چکی تہائی سے کم کٹے ہوں تو قربانی جائز ہے اور اگر تہائی سے زیادہ کٹے ہیں تو ناجائز ہے۔ اور جس جانور کی تہائی سے زیادہ نظر جاتی رہی اس کی قربانی ناجائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں۔ درمختار۔ ردالمحتار)

مسئلہ: اور وہ جانور جو صرف گندگی ہی کھاتا ہو اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ اگر اونٹ ہو تو چالیس دن تک باندھا جائے حتیٰ کہ اس کا گوشت طیب ہو جائے۔ اور اگر گائے ہے تو بیس دن تک باندھی جائے۔ اور اگر بکری ہے تو دس دن تک باندھی جائے۔ اگر مرغی استعمال کرنے کے لئے ہے تو تین دن تک اسے روکا جائے اور اگر چڑیا وغیرہ ہے تو ایک دن تک اسے روکا جائے۔

مسئلہ: جس کے دانت نہ ہوں ''بشرطیکہ وہ چارہ نہ کھا سکتا ہو'' یا جس جانور کے تھن کٹے ہوں یا خشک ہوں اس کی قربانی ناجائز ہے۔ بکری میں ایک تھن کا خشک ہونا عدم جواز کے لیے کافی ہے اور گائے اور بھینس میں اگر دو کٹے ہوں تو قربانی جائز نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ: جس جانور کی ناک کٹی ہو یا بذریعہ علاج اس کا دودھ خشک کر دیا گیا ہو اور خنثی جانور جس میں نر اور مادہ دونوں علامتیں ہوں۔ اور جس جانور کا ایک پاؤں کاٹ لیا گیا ہو اس کی قربانی جائز نہیں ''کذافی التا تارخانیہ'' (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ: بھیڑ یا دنبہ کی اون کاٹ لی گئی ہو اس کی قربانی جائز ہے۔

مسئلہ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے...... جو ہم نے ذکر کیا...... جب یہ عیوب خریدنے کے وقت قائم تھے۔ جس کی وجہ سے قربانی نہ ہوتی تھی اور اگر

وقت خرید وہ ان عیوب سے سلامت تھے اور بعد میں یہ عیوب پیدا ہوئے تو اگر وہ شخص غنی ہے تو دوسرے جانور کی قربانی کرے اور اگر وہ شخص فقیر ہے بشرطیکہ اس نے قربانی اپنے ذمہ واجب نہ کی ہو تو وہ اس جانور کی قربانی کرے جائز ہے۔ اور اگر اس نے قربانی کرنے کی منت مانی ہے کہ میں یہ بکری قربان کروں گا اس وقت اس بکری میں عیب نہ تھا۔ پھر اس میں عیب پیدا ہو گیا تو اس صورت میں فقیر کا بھی وہی حکم ہے جو غنی کا ہے یعنی دوسری قربانی کرے۔ (ھدایہ۔ ردالمحتار)

مسئلہ: قربانی کرتے وقت جانور اچھلا کودا جس کی وجہ سے اس میں عیب ہو گیا' یہ عیب مضر نہیں اور اس کی قربانی جائز ہے اور اگر اچھلنے کودنے سے عیب ہو گیا اور وہ چھوٹ کر بھاگ نکلا اور اس کو فوراً پکڑ کر لے آیا اور ذبح کر دیا گیا تو بھی قربانی ہو جائے گی۔ (ردّالمحتار۔ درّ مختار)

''اصول التوحید امام صفار'' میں ہے کہ قربانی کے دنوں میں مرغی یا مرغا کا قربانی کرنا اس شخص کا جس پر قربانی واجب نہیں' بوجہ تنگدستی کے تاکہ وہ قربانی کرنے والوں کے مشابہ ہو جائے' مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوس کی رسومات میں سے ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور فربہ، خوبصورت اور بڑا ہو اور بکری میں سے افضل قربانی اس دنبے کی ہے جس کا رنگ سیاہ وسفید ہو اور سینگ والا ہو اور خصی ہو۔ اور ذبح کا آلہ تیز ہونا چاہئے۔ اور ذبح کے بعد جانور کے ٹھنڈا ہونے اور اس کے تمام اعضاء کے ساکن ہونے اور تمام جسد سے حیات زائل ہونے تک مستحب ہے کہ وہ انتظار کرے۔ اور جانور کا ٹھنڈا ہونے سے قبل کھال اتارنا مکروہ ہے۔ ''ھکذا فی البدائع'' (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ: اپنی قربانی کے گوشت سے کھانا مستحب ہے۔ اور اس سے دوسروں کو بھی گوشت دے اور افضل یہ ہے کہ تہائی صدقہ کرے۔ اور ایک تہائی اپنے دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کے لیے رکھے۔ اور ایک تہائی کا ذخیرہ بنالے۔ غنی اور فقیر سب کو گوشت دے ''ھکذا فی البدائع'' (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ: قربانی کا چمڑا یا گوشت یا قربانی کے جانور کی کوئی چیز قصاب کو اجرت میں نہیں دے سکتا کیونکہ یہ بھی بیع کی ایک شکل ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں۔ خلاصۃ الفتاویٰ)

قربانی کرنے کا طریقہ:

قربانی سے قبل قربانی کے جانور کو پانی پلانا چاہئے۔ بھوکا پیاسا ذبح نہ کریں اور چھری جانور کے سامنے تیز نہ کریں۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے بھی ذبح نہ کریں۔ جانور کو بائیں پہلو اس طرح لٹائیں کہ قبلہ رخ ہو جائے۔ اپنا دایاں پاؤں اس کے پہلو پر رکھ کر جلد ذبح کریں۔ اور ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

قربانی اگر اپنی طرف سے ہو تو بعد از ذبح یہ دعا پڑھیں:

اللهم تقبل منی کما تقبلت من خلیلك ابراهیم علیه السلام وحبیبك محمد صلی الله علیه وسلم ۔

میں نے ضروری اور مختصر مسائل قربانی پیش کئے ہیں۔ اگر زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو معتبر کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ میں نے جن کتب سے یہ مسائل اخذ کئے ہیں ان کتابوں کے نام درج کر دیئے ہیں۔ مزید آسانی کے لیے ان کے حوالہ جات لکھ رہا ہوں تا کہ تلاش میں آسانی ہو۔ اور اصل کتاب میں یہ مسئلہ بطور تحقیق و تصدیق دیکھنے میں مشکل پیش نہ آئے۔

(1) فتاویٰ عالمگیری کتاب الاضحیہ جلد خامس صفحہ نمبر 111 تا 117

(2) فتاویٰ قاضی خاں کتاب الاضحیہ اخیرین ص نمبر 328 تا 336

(3) خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الاضحیہ جلد دوم ص 505 تا 518

(4) مجمع الانھر کتاب الاضحیہ جلد دوم ص 515 تا 523

(5) ردالمحتار کتاب الاضحیہ جلد پنجم ص 219 تا 236

(6) فتح القدیر کتاب الاضحیہ جلد ہشتم ص 423 تا 439

انشاء اللہ ان حوالہ جات سے آپ اصل کتاب سے یہ مسائل دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے طوالت کی وجہ سے اصل عبارات نقل نہیں کیں صرف ان کا ترجمہ ہی نقل کیا ہے۔ (اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائے) آمین۔

مصارف صدقات

اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔

زکوٰۃ تو انہی لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار۔ اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں۔ اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے۔ اور گردنیں چھوڑانے میں۔ اور قرضداروں کو۔ اور اللہ کی راہ میں۔ اور مسافر کو۔ یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (سورۂ توبہ آیت 60)

شاید قارئین حضرات کے ذہن میں یہ شکوک وشبہات جنم لیں کہ مسائل قربانی کے بعد مصارف صدقات کا بیان اس جگہ کوئی مطابقت نہیں رکھتا لہٰذا یہاں مصارف صدقات کو کیوں بیان کیا گیا۔

تو ان شکوک وشبہات کو دور کرنے کی غرض سے میں عرض کرنا چاہوں گا۔ کہ آپ نے اللہ عزوجل کے فرمان ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ'' کے ماتحت علماء مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمائے۔ کہ بعض علماء کرام کے نزدیک یہاں ''وَانْحَرْ'' کا معنی سینے پر ہاتھ باندھنا ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی معانی نقل فرمائے۔ اور احناف کا استدلال یہ تھا کہ اس آیہ مقدسہ میں لفظ ''وَانْحَرْ'' سے مراد مروجہ قربانی ہے اور اکثر مفسرین کرام نے اسی معنی کو ترجیح دی۔ لہٰذا امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیہ کریمہ میں

''وَانْحَرْ'' سے مراد قربانی لینا بہ نسبت دیگر معانی کے اولیٰ و افضل ہے۔ اور انہوں نے اس کی چند وجوہ بیان فرمائیں جن میں سے ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی۔ کہ اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں جہاں نماز کا ذکر فرمایا وہاں زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا تو اس آیہ مقدسہ میں پہلے نماز کا ذکر ہے اور اس کے بعد لفظ ''وَانْحَرْ'' سے مروجہ قربانی مراد لینا اولیٰ ہے کہ عبادت مالیہ کے اعتبار سے قربانی زکوٰۃ کے قائم مقام ہے لہٰذا لفظ ''وَانْحَرْ'' سے قربانی مراد لینا ہی اولیٰ ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ احکام قربانی کو بغور پڑھیں کہ ان میں بے شمار مسائل صدقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً قربانی کے جانوروں کے چمڑے اور کھالیں یہ بھی صدقہ ہیں۔ ایام نحر میں قربانی کے جانور کا دودھ دوہنا وہ بھی صدقہ کے زمرہ میں آتا ہے کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے۔ اس طرح ایام نحر میں قربانی کے جانور کی اون وغیرہ اتارنا وہ بھی صدقہ کرنے کا حکم ہے۔ اگر ایام نحر میں قربانی کا جانور بچہ جنم دے تو وہ بھی صدقہ ہے۔ اس طرح ذبح کے بعد جو بچہ ماں کے پیٹ سے زندہ نکلے اس کو بھی صدقہ کرنے کا حکم ہے۔ اور پھر اگر کسی پر قربانی واجب تھی اور اس نے قربانی کے دنوں میں قربانی نہیں کی حتیٰ کہ ایام نحر گزر گئے۔ تو علماء شریعت کے نزدیک وہ معینہ جانور کو صدقہ کر دے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار مسائل ہیں جو متعلق صدقات ہیں۔ اس لیے میں نے مسائل قربانی کے بعد مصارف صدقات کا ذکر کیا ہے تاکہ اگر ایام قربانی میں کوئی ایسا مسئلہ درپیش آ جائے تو ایسی صورت میں ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے صدقات کا اصل مصرف کیا ہے۔ جہاں مسائل قربانی اپنی جگہ اہم ہیں وہاں صدقات کا مصرف بھی بہت اہم ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اگر کوئی آدمی وجوب سے بری الذمہ نہ ہو سکا تو کم از کم اس کو اتنا معلوم تو ہونا چاہیے کہ میں نے اس کی جگہ صدقہ کرنا ہے اور اس صدقہ کا اصل مستحق کون ہے تاکہ اس کا صدقہ صحیح شرع کے مطابق ادا ہو۔ تو میں نے اس خیال کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسائل قربانی کے بعد مصارف صدقات کا ذکر کیا ہے۔ ویسے بھی اگر ان کا متعلق قربانی نہ سمجھیں تب بھی ہم مسلمان ہیں۔ ہمیں اتنا تو ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے اپنے صدقات کہاں دینے ہیں۔ اور کہاں نہیں دینے

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ صدقات کے متعلق علم نہ ہونے کی وجہ سے کئی لوگ اپنے صدقات اپنے اصل محل پر نہیں پہنچا پاتے اور بعد میں پشیمان ہوتے ہیں۔ اس لیے جہاں قربانی کا دین سے گہرا تعلق ہے کہ وہ عبادت ہے وہاں صدقات کا بھی دین سے بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ یہ بھی عبادت میں شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا مسائل قربانی کے بعد مصارف صدقات کا بیان میں نے ضروری سمجھا تاکہ مسائل قربانی کے بعد قارئین کرام مصارف صدقات سے مستفید و مستفیض ہوں۔

مولائے کریم ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مؤلفۃ القلوب کا حکم

اس آیۂ مقدسہ میں ''مؤلفۃ القلوب'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حکم سے ساقط ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عیینہ اور اقرع دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ زمین کا مطالبہ کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھ دیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس خط کو پھاڑ دیا اور فرمایا یہ وہ چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیتے تھے تاکہ اسلام پر تمہیں الفت دی جائے۔ اور اب اللہ عزوجل نے اسلام کو غالب کر دیا ہے اور تم سے غنی کر دیا ہے اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہے تو بہتر ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے ''یعنی جنگ'' وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا خلیفہ تم ہو یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ عزوجل نے چاہا تو خلیفہ وہی ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس بات میں موافقت کی۔ اور حضرات صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا یہ حضرات صحابہ کرام کا ایک اجماع تھا جو اس بات پر منعقد ہوا کہ اب ان لوگوں کو کچھ نہیں دینا چاہیئے۔ تو ''مؤلفۃ القلوب'' اس حکم سے ساقط ہو گئے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''عامل اور مؤلفۃ القلوب'' اس زمانہ میں مفقود

ہیں۔ اس کے بعد چھ اصناف باقی رہ جاتے ہیں جو اس حکم میں داخل ہیں۔

فقراء اور مساکین

اللہ عزوجل نے اس آیۃ مقدسہ میں سب سے پہلے فقراء اور مساکین کا ذکر فرمایا یعنی اپنے صدقات ان کو دو۔ بعض کے نزدیک فقراء اور مساکین ایک ہی ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ اصناف میں سے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس بطور کفایت ہے۔

صاحب فتح القدیر باب "من یجوز رفع الصدقة الیه ومن لایجوز " میں فرماتے ہیں۔ قولہ "والفقیر من له ادنیٰ شیٔ والمسکین من له لاشیٔ " وھذا مروی عن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ۔ یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور یہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس عبارت کے ماتحت لکھتے ہیں۔

وھو مادون النصاب اوقدر نصاب غیر نام الخ (فتح القدیر ج دوم ص 202)
یعنی "ادنیٰ شیٔ" سے مراد یہ ہے کہ جو نصاب سے کم ہو یا نصاب کی مقدار ہو اور وہ غیر نامی ہو۔

دراں حالیکہ وہ سخت حاجت میں مستغرق و مبتلا ہو وہ فقیر ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ ایک وقت کی روٹی یا ایسی چیز جس سے وہ اپنا بدن ڈھانپ سکے اس کے لیے محتاج سوال ہو اور اس وقت اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یہ مسکین ہے۔ بخلاف فقیر کے کہ ان کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ جو شخص بدن ڈھانپنے کے بعد ایک دن کی روزی رکھتا ہو اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں۔ معلوم ہوا مسکین فقیر سے بھی زیادہ برے حال والا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید میں حضرات مفسرین کرام کے چند اقوال نظر قارئین کرتا ہوں تا کہ ہمیں فقیر و مسکین کے متضادت ہونے کا صحیح علم ہو سکے۔

مسکین اور فقیر میں فرق

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر "تفسیر مظہری" میں اس آیتہ مقدسہ کے ضمن ارقام فرماتے ہیں۔

اما المساكين فالمراد به الفقير الذى لايسال الناس الحافا مشتق من السكون والسكينة اى لايتحرك لا جل السوال والدليل عليه ما رواه الشيخان فى الصحيحين من حديث ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ليس المسكين الذى يطوف على الناس يرده اللقمة واللقمتان والثمرة والثمرتان ولكن المسكين الذى لا يجد غنى يغنيه ولا يفطن له فيتصدق عليه ولا يقوم فيسأل الناس . (تفسیر مظہری ج 4 ص 232)

مساکین سے مراد وہ فقیر ہے جو لوگوں سے بالا صرار سوال نہیں کرتا اور لفظ مسکین سکون یا سکینہ سے مشتق ہے۔ یعنی سوال کرنے کے لیے حرکت وغیرہ نہیں کرتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے شیخین (امام و بخاری و مسلم) نے صحیحین میں روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو لوگوں کا طواف کرے کوئی اس کو ایک لقمہ اور دو لقمے دے۔ اور کھجور یا دو کھجوریں دے لیکن مسکین وہ ہے جو غنا نہیں پاتا جو اس کو کفایت کرے اور نہ ہی اس کو سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کو صدقہ وغیرہ دیا جائے اور نہ ہی اٹھ کر لوگوں کے پاس جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی نفیس تشریح سے ضرور آپ کے ذہن میں مسکین کا تصور اجاگر ہوا ہوگا۔ فرماتے ہیں۔ مصرف صدقات فقط فقراء ہی ہیں اغنیاء نہیں۔ اور فقیر وہ محتاج ہے جو غنی کی ضد ہے خواہ اس کے پاس تھوڑا مال ہو یا نہ ہو۔ اور وہ مسکین وغیرہ جو اصناف صدقات میں سے ہیں ان سے عام ہے اور مسکین خاص ہے۔ اور اکثر اُحناف کا یہ قول ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم ہو۔ قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں جو میں نے کہا ہے وہ مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بہت موافق ہے

اس حیثیت سے کہ غارم و غازی وغیرہما میں بھی فقر معتبر ہے۔ جو میں نے کہا اس پر دلیل یہ ہے کہ فقر کا عموم اور پھر اس کا جملہ اصناف کو شامل ہونا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے امام بخاری و مسلم اور اصحاب سنن نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ تم عنقریب اہل کتاب لوگوں کے پاس جاؤ گے۔ تو پہلے انہیں ''ان لا الہ الا اللہ وأنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی شہادت کی طرف بلاؤ اگر وہ اس میں تیری فرمانبرداری کرلیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ عزوجل نے دن اور رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ عزوجل نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لیکر ان کے فقراء کو دی جائے گی۔ اگر وہ تمہاری یہ بات تسلیم کرلیں پھر زکوٰۃ میں ان کے پسندیدہ مال لینے سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اللہ عزوجل اور مظلوم کی بددعا کے درمیان حجاب نہیں۔

لہٰذا اس حدیث مبارکہ کے ساتھ زکوٰۃ مفروضہ میں صفت ایمان کا اعتبار کیا گیا ہے اس لیے فقیر کافر' ذمی ہو یا حربی' اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ لیکن صدقات فاضلہ' ذمی کو دینا جائز ہے۔ لیکن حربی کافر کو صدقات فاضلہ دینا بھی جائز نہیں۔ لیکن صدقات واجبہ مثل صدقہ فطر، کفارات و نذر' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان کا حکم مثل حکم مفروضہ ہے کیونکہ وہ فرض اور واجب کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک واجب کا درجہ فرض سے کم ہے لہٰذا ذمی کو دینا جائز ہے اور حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ صدقات کو شامل نہیں کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ زکوٰۃ لینے کے عامل بن کر یمن گئے تھے۔ معلوم ہوا فقر تمام اصناف کو شامل ہے اور آیۃ مقدسہ میں سوائے عالم کے اور بقول علامہ ابن العابدین شامی رحمتہ اللہ علیہ ''رقاب، عاملین اور ابن سبیل'' کے تمام اصناف میں فقر ضروری ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ مسکین بھی فقیر کی ایک قسم ہے۔ فقیر عام ہے اور مسکین خاص۔ اور اللہ عزوجل کے فرمان ''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ

اللّٰہِ الخ ''میں فقراء سے یہی مساکین مراد ہیں۔لہٰذا دیگر فقراء کی بہ نسبت اس فقیر کو جو مسکین ہے صدقہ وغیرہ دینا زیادہ بہتر ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک فقیر مسکین سے زیادہ برے حال والا ہے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس گزارہ کرنے کے لیے کچھ ہو ان کے دلائل یہ ہیں۔

(1) اللہ عزوجل کا فرمان ''اما السفینۃ فکانت لمساکین '' ثابت ہوا مسکین کے لیے کشتی تھی اور کشتی کی بہت قیمت ہوتی ہے لہٰذا مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو۔

(2) جو ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ و حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللھم احینی مسکیناً وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین ''یعنی اے اللہ بحالت مسکین زندہ رکھ اور بحالت مسکین موت عطا فرما اور مساکین کی جماعت میں مجھے اٹھا۔

(3) ابو داؤد نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قول کے ساتھ دعا فرماتے تھے ''اللھم انی اعوذبك من الکفر والفقر '' اے اللہ عزوجل میں تیرے ذریعہ سے کفر اور فقر سے پناہ مانگتا ہوں۔

(4) اللہ عزوجل نے اس آیۃ مقدسہ میں فقیر کو مقدم ذکر فرمایا اگر فقیر کی احتیاج سخت نہ ہوتی تو اللہ عزوجل اس سے آغاز نہ فرماتے۔

(5) یہ کہ فقیر بمعنی مفقود ہے یعنی مفلسی وغربت نے اس کی ہڈیوں کو توڑ کر رکھ دیا۔لہٰذا جس کی یہ حالت ہو وہ مسکین سے زیادہ برے حال والا ہے۔

صاحب تفسیری مظہری اور تفسیر روح المعانی اور تفسیر قرطبی نے ان استدلال کا جواب اس طرح دیا ہے۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں اللہ عزوجل کے اس فرمان ''اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ

لِـمَسَـاكِيْـن‘‘ سے احتجاج صحیح نہیں کیونکہ یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ کشتی کرایہ پر لی ہو یا عاریتاً لی ہو اس سے ان کا ملک ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہا جاتا ہے ’’هذه دارفـلاں اذا كـان سـاكنها وان كانت لغيره ‘‘ جب کوئی کسی گھر میں رہتا ہو تو کہا جاتا ہے یہ گھر فلاں کا ہے اگرچہ وہ کسی دوسرے کا ہے۔ اللہ عزوجل نے اہل نار کے وصف میں فرمایا ’’وَلَهُـمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ‘‘ (سورۃ حج آیت 21) ان کے لیے لوہے کے آنکس (گرز) ہیں۔ یہاں آنکس کو اہل نار کی طرف منسوب کیا ہے اور اس طرح کی بہت مثالیں ہیں کہ ایک چیز کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ وہ اس کی نہیں ہوتی۔ تو اس جگہ بھی کشتی کی اضافت مساکین کی طرف ہے لیکن معلوم نہیں کہ وہ کشتی ان کی ملک تھی یا کرایہ پر لی ہوئی تھی۔ یا ان پر رحم کھاتے ہوئے فرمایا یہ مسکینوں کی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ’’مســاكيـن اهل النار ‘‘ تو یہاں مساکین پر رحم کرتے ہوئے کہا اہل نار کے مساکین ہیں۔ اور ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مسـاكين اهل الحب حتى قبورهم ۔ عـليهـا تـراب الـذل بين المقابر

یعنی محبت کرنے والے مساکین حتیٰ کہ تمام مقابر میں سے ان کی قبروں پر ذلت کی گئی ہے۔ تو یہاں ان پر رحم کرتے ہوئے شاعر نے ’’مســاكيـن اهـل الحـب‘‘ کہا ہے۔

(دوم) جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تاویل کی ہے وہ بھی اس طرح نہیں۔ اس کا معنی یہاں اس اس طرح ہے کہ تواضع وانکساری اس اللہ عزوجل کے لیے ہے جس میں کبر وغرور وتکبر نہیں ہے یعنی مسؤل سے مراد نفس سکنہ (فقیری) نہیں بلکہ اس کے بعض صفات ہیں جیسے صبر، توکل اور رضا یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت انس اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی احادیث کی اسناد ضعیف ہے اور اس طرح حافظ ابن حجر نے کہا۔ اور محدث ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان ’’وجدك عائلا فاغنى ‘‘ میں نے آپ کو فقیر پایا اور غنی کر دیا۔

(سوم) جس فقر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ نفس فقر ہے اس لیے کہ ایک روایت میں

ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غنی اور عفاف یعنی پاکدامنی کا سوال کرتے تھے۔ تو غنی سے مراد نفس غنی ہے نہ کہ کثرت دنیا۔

(چہارم) فقیر کو آغاز میں ذکر کرنا۔ اس تقدیم میں اس کے زیادہ محتاج ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ علماء کرام کے کلام میں اس کے بکثرت اعتبارات ہیں۔

(پنجم) ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ فقیر فقار سے ماخوذ ہو کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''من فقرت له فقرة من مالی'' سے ماخوذ ہو یہ اس وقت بولا جاتا جب تم اس کے مال سے کچھ کاٹ لو اور اس کے پاس بھی کچھ ہو۔

(تفسیر مظہری ج 4 ص 233، روح المعانی جز 10 ص 121، تفسیر قرطبی جلد 4 جز 8 ص 108)

قارئین کرام! آپ نے اعتراضات وجوابات کو بغور پڑھا کہ مسکین، فقیر سے زیادہ برے حال والا ہے اس لیے جو مسکین کا معنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ عین قرآن وسنت کے مطابق ہے معلوم ہوا اس آیۃ مقدسہ میں مسکین اور فقیر الگ الگ ایک صفت ہے نہ کہ مسکین وفقیر ایک ہی چیز ہیں۔ تو اللہ عزوجل نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے صدقات فقراء اور مساکین کو دیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ فقیر اور مسکین کی صفت کیا ہے اور فقیر ومسکین کی بحیثیت الاحتیاج امتیاز کیا ہے تو ہم کیسے ان تک اپنے صدقات پہنچا سکیں گے۔ اس لیے ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ مصارف صدقات کو اچھی طرح جانیں پہچانیں تاکہ ہمارے صدقات کا محل صرف اچھا ہو اور قرآن وسنت کے مطابق ہو اس کے بعد ہی ہم اس کے ثواب کے مستحق ہوسکتے ہیں ورنہ ہمارے صدقات رائیگاں جائیں گے نہ جن کے نام پر صدقات دیئے جاتے ہیں انہیں نفع حاصل ہوگا اور نہ ہی دینے والے کو ثواب ملے گا۔ اور صدقات محض اللہ عزوجل کی رضا و خوشنودی کی خاطر ہونے چاہیں تاکہ عند اللہ مقام قبول تک پہنچ جائیں۔ اب میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تائید میں چند اشتہادات معتبر کتب تفاسیر سے پیش کرتا ہوں۔ (مولائے کریم قبول فرمائے۔)

صاحب تفسیر البحر المحیط اس آیۃ کریمہ کے ماتحت لکھتے ہیں:

وقال عنيرۃ منهم ابو حنيفه ويونس بن حبيب و ابن السكيت وابن قتيبة المسكين ابلغ فاقة لانه لاشئ له والفقير من له بلغة من الشي . (تفسیر البحر المحیط ج5 ص58)

یعنی امام ابوحنیفہ، یونس بن حبیب، ابن مسکیت اور ابن قتیبہ رضی اللہ عنہم نے کہا ازروئے بھوک و افلاس مسکین ابلغ ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی چیز نہیں اور فقیر وہ ہے جس کے پاس گزارہ کی مقدار کچھ چیز ہو۔

صاحب تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں۔

وعلى مانقل عن الامام يكون المسكين اسوأ حالا من الفقير واستدل بقوله تعالٰى "اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ" (سورۃ بلد آیت 16)

(تفسیر روح المعانی جز10 ص120)

اور جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ مسکین فقیر سے بدتر حال والا ہوتا ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے اس فرمان سے دلیل اخذ کی ہے۔"یا خاک نشین مسکین کو" جو نہایت تنگ دست اور درماندہ اس کے پاس نہ کچھ اوڑھنے کے لیے ہے اور نہ ہی کچھ زمین پر بچھانے کے لیے۔ اور اس کی یہ حالت دلالت کرتی ہے کہ وہ نہایت تکلیف اور شدت میں ہے اور فقیر کا یہ وصف بیان نہیں کیا گیا۔ دوم یہ کہ اصمعی، ابوعمرو بن علاء اور ان کے علاوہ دیگر اہل سنت نے مسکین کی تفسیر یہ کی ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس زندگی کے لیے کچھ گزارہ کے مقدار کوئی چیز ہو۔

صاحب تفسیر صاوی اس آیۂ مقدسہ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

(قوله الذين لايجدون مايقع موقعا من كفايتهم) صادق بان لايجد وشيئا اصلا اولايجدوا شيئا لا يقع الموقع من كفايتهم الخ

(تفسیر صاوی ج دوم ص143)

یعنی فقیر وہ ہیں جو ان کی کفایت کے موقع میں کفایت کے لیے کچھ نہ پائیں۔ اور

مسکین وہ ہے جو اصلاً کوئی چیز نہ پائے یا موقع کفایت میں کچھ پالیں۔ لیکن اس کو کافی نہ ہو۔ تو فقیر اس صورت پر از روئے حال مسکین سے ابتر ہے اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس کے برعکس ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسکین وہ ہے جو اصلاً کسی چیز کا مالک نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ چیز ہو لیکن اس کو کفایت نہیں کرتی۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی فرماتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفایت سے مراد ایک سال کی کفایت ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غالب عمر کی کفایت ہے اور وہ ساٹھ سال ہیں۔

معلوم ہوا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب وہی ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے آپ ذرا امام احمد بن محمد صاوی مالکی کی عبارت کو غور سے پڑھیں تو ''فالمسكين لايملك شيئا اصلا'' یعنی مسکین وہ ہے جو اصلا کسی چیز کا مالک نہ ہو۔ اور کفایت کو دیکھیں کہ امام مالک کے نزدیک ایک سال اور امام شافعی کے نزدیک عمر کا غالب حصہ تقریباً ساٹھ سال۔ تو اس اعتبار سے مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سب مذاہب سے اولیٰ ہے کیونکہ ان کے نزدیک مسکین وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہیں جس میں سال یا ساٹھ سال کی کفایت کی قید نہیں بلکہ مطلقاً جو کسی چیز کا مالک بھی نہ ہو وہ مسکین ہے۔

قارئین گرامی! ذرا غور فرمائیں کہ صدقات دینے کے لیے اصل مصرف میں کتنی احتیاط ہے لیکن ہم اپنی دنیاداری نبھاتے ہیں اصل مصرف نہیں دیکھتے لیکن شریعت میں صدقات کی قبولیت اصل مصرف میں ہے۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:

وقال ابوحنيفة رضى الله عنه واصحاب الراى الفقير احسن حالامن المسكين وحجة الخ (تفسیر خازن ج دوم ص 252)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اصحاب رای نے کہا فقیر وہ ہے جو از روئے حال مسکین سے اچھا ہو اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے اللہ عزوجل نے فرمایا

''اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ'' یا مسکین خاک نشین کو یعنی اللہ عزوجل نے مسکین کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ مسکین وہ ہے جس نے اپنا جسم مٹی سے ملا دیا ہو۔ اور یہ نہایت تکلیف و سختی پر دلالت کرتا ہے اس لیے مسکین فقیر سے زیادہ محتاج ہے۔ پھر اللہ عزوجل نے کفارات کا مصرف مساکین بیان فرمایا ''کفارتہ اطعام عشرۃ مساکین ''او کفارۃ طعام مسکین '' (سورۂ مائدہ آیت نمبر 89اور 95) اور ایسی قسموں کا بدلہ دس مسکینوں کو کھانا دینا۔ یا کفارہ دے چند مسکینوں کا کھانا۔ اگر مسکین فقیر سے زیادہ حاجتمند نہ ہوتا تو اللہ عزوجل کفارات مساکین کے لیے نہ فرماتا۔ اور اصمعی، ابی عمرو بن علاء نے کہا فقیر وہ ہے جو کھاتا ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور اسی طرح امام قتیبہ نے کہا کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس گزارہ موافق کچھ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اور بعض کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس گھر اور خادم وغیرہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کی ملک کوئی چیز نہ ہو۔ اور بعض کے نزدیک ہر محتاج اس کو کسی چیز کی طرف احتیاج ہوتی ہے اگرچہ وہ اس کے غیر سے غنی ہو۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ''انتم الفقراء الی اللہ '' (سورۂ فاطر آیت 15) '' تو اللہ عزوجل نے ان کے لیے باوجود مال پانے کے اسم فقر کو ثابت رکھا اور یہ دلیل ہے کہ مسکین از روئے حال فقیر سے زیادہ محتاج ہے۔

تفسیر خازن کے حاشیہ پر تفسیر مدارک التنزیل ہے صاحب تفسیر مدارک لکھتے ہیں۔

ثم الفقیر الذی لایسال لان عندہ مایکفیہ للحال الخ یعنی فقیر وہ ہے جو سوال نہیں کرتا کیونکہ اس کے پاس حال کے لیے ہے جو اس کو کفایت کرتا ہے اور مسکین وہ ہے جو سوال کرتا ہے کیونکہ وہ کوئی چیز نہیں پاتا اور مسکین از روئے حال فقیر سے بہت کمزور ہے۔ معلوم ہوا مسکین فقیر سے زیادہ محتاج ہے اور جس کی احتیاج زیادہ ہو وہی صدقات کا مستحق ہے۔

برادران اسلام! آپ نے مسکین اور فقیر کے درمیان فرق کو سماعت فرمایا۔ کہ علماء کرام نے صدقات کے استحقاق کے لیے کتنی احتیاط سے کام لیا ہے۔ فقیر و مسکین سب صدقات کے مصرف ہیں اگر ان دونوں کو الگ الگ مصرف تسلیم کر لیا جائے تب بھی اور

اگر مسکین وفقیر ایک ہی ہوں تب بھی۔ لیکن مصارف صدقات میں استحقاق کو ضرور ملحوظ رکھیں۔ کیونکہ صدقات کا تعلق عبادات مالیہ سے ہے کہیں ایسا نہ ہو عدم استحقاق کے باعث آپ اس کے ثواب سے محروم رہ جائیں۔ ہمارے ہاں اکثر صدقات اپنی نشوونما اور دکھلاوے کے لیے ہوتے ہیں بلکہ اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے لیے ہوتے ہیں ان کا تعلق اللہ عزوجل کی رضا وخوشنودی سے نہیں ہوتا ایسے صدقات اللہ عزوجل کی بارگاہ میں قبول نہیں حضرات علماء کرام کی یہ احتیاط ہمارے لیے ایک پیغام ہے کہ اپنے صدقات ان لوگوں کو دو۔ جو ان کا استحقاق رکھتے ہیں اور اپنی اس مالی عبادت کو نشوونما اور چودھراہٹ کی بھینٹ نہ چڑھاؤ۔ آپ نے دو قسم کے لوگوں کے متعلق سماعت فرمائی اب تیسری قسم کا بیان پیش خدمت ہے۔

تیسری قسم:۔

''وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا ''یعنی صدقات وغیرہ کو تحصیل کر کے لانے والے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے عاملین کون کون سے ہیں اور عاملین کون ہو سکتے ہیں اس کے متعلق معتبر کتب تفاسیر سے اس کی توضیح وتشریح بیان کی جاتی ہے۔

(وما توفیقی الا باالله وهو الموفق اللصواب)

تفسیر جلالین میں ہے۔

''وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا '' ای الصدقات من جاب وقاسم وکاتب وحاشر ''(تفسیر صاوی جلد دوم ص 143)

صاحب تفسیر صاوی فرماتے ہیں ''جاب'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اصحاب زکوٰۃ سے زکوٰۃ جمع کرتے ہیں اور ''قاسم'' سے مراد وہ عاملین ہیں جو اموال زکوٰۃ کو مستحقین پر تقسیم کرتے ہیں۔ اور ''کاتب'' سے مراد وہ عاملین ہیں جو اصحاب اموال ان کو زکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔ اور ''حاشر'' سے مراد وہ عاملین ہیں جو اصحاب اموال کی لسٹ بناتے ہیں تاکہ ان سے زکوٰۃ جمع کرنے والا زکوٰۃ جمع کر سکے۔

صاحب تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں۔

(وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا)وهم الذين يبعثهم الامام لجبايتها الخ

(تفسیر روح المعانی جز 10 ص 121)

یعنی عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو امام صدقات وغیرہ جمع کرنے کے لیے بھیجتا ہے اور ''بحر'' میں ہے کہ عامل عاشر اور ساعی دونوں کو شامل ہے۔ عاشر وہ ہے جس کو امام کسی راستہ پر مقرر کرے تاکہ جو تجار حضرات وہاں سے مال لیکر گزرتے ہیں ان سے صدقات وصول کرے۔ اور ساعی وہ ہے جو قبائل میں جائے اور جہاں انہوں نے مویشی باندھ رکھے ہیں ان سے ان کے صدقات وصول کرے۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں۔

(وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا) يعنی السعاة والجباة الذين يبعثهم الامام لتحصيل الزكوٰة بالتوكيل علٰى ذالك . (تفسیر قرطبی جز 8 ص 112)

عاملین سے مراد سعاۃ اور جباۃ ہیں جنہیں امام وکیل بنا کر تحصیل زکوٰۃ کے لیے بھیجتا ہے۔ اور ''سعاۃ'' سے مراد وہ عاملین ہیں جو صدقات وزکوٰۃ جمع کرتے ہیں۔ اور ''جباۃ'' سے مراد وہ عاملین ہیں جو خراج وغیرہ وصول کرتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک عامل ہاشمی اور اس کا غلام نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں اس لیے کہ یہ لوگوں کے میل کچیل ہے۔ اور عامل کا یہ بھی ایک وجہ سے صدقہ ہے۔ کیونکہ صدقہ کا ایک حصہ ہے اور یہ صدقہ سے ہی لاحق ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت رکھنے والے لوگوں کی اس میل کچیل سے منزہ ہیں۔ صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ ہاشمی اور مطلبی کا غلام ان کو صدقات پر عامل نہیں مقرر کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابورافع کو صدقات پر عامل بنا کر بھیجنے سے انکار فرمایا اور فرمایا تم نہیں جانتے کہ کسی قوم کا غلام اس قوم میں سے شمار ہوتا ہے۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

(وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا) ای علی الصدقات الخ (تفسیر مظہری ج 4 ص 233)

یعنی عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات پر عامل ہیں۔ اللہ عزوجل نے عاملین صدقہ اور ان کے مددگاروں کو مجازاً فقراء کی اصناف میں شمار کیا ہے۔ خواہ عاملین غنی ہوں یا فقیر۔ کیونکہ وہ صدقات لینے اور اس کی تقسیم میں فقراء کے وکیل ہیں جو ان کے امور میں مشغول ہیں تو ان کی اجرت ان پر واجب ہے۔ اس اعتبار سے وہ حکماً فقیر ہیں۔ اور عامل کو زکوٰۃ میں سے کس قدر دیا جانا چاہئے اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک عامل اور اس کے مددگاروں کو صدقات سے آٹھواں حصہ دینا چاہئے اگرچہ عامل کا عمل قلیل ہو یا کثیر۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اکثر ائمہ کے نزدیک، عاملین کو ان کے عمل کے مقدار جو اس کو کفایت کرتا ہو دینا چاہئے۔ اگر وہ ایک دن کا عمل کرے تو ایک دن کی کفایت کے مطابق اس کو مزدوری دینی چاہئے۔ اور اگر وہ ایک سال عمل کرتا ہے تو ایک سال کی کفایت کے مطابق اس کو مزدوری دینی چاہئے۔ کیونکہ غنی کا زکوٰۃ میں حق نہیں۔ صرف عامل کو اس کے عمل کی اجرت جو دی جا رہی ہے وہ ہے جو فقراء پر واجب ہے اور مال زکوٰۃ سے جتنا ان کا حق بنتا ہے اس مقدار سے ان کو دینا چاہئے۔

صاحب تفسیر قرطبی نے (وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا) کے ماتحت لکھا ہے۔

ومن ذالك الامامة فان الصلوٰة وان كانت متوجهة على جميع الخلق فان تقدم بعضهم بهم من فروض الكفايات فلا جرم يجوز الاجره عليها ۔ (تفسیر قرطبی جز 8 ص 113)

اور امامت بھی اسی قسم سے ہے کیونکہ نماز اگرچہ تمام مخلوق پر متوجہ ہے لیکن بعض کا بعض کو امامت کے لیے آگے کرنا فرض کفایہ میں سے...... تو اس پر اجرت لینا لامحالہ جائز ہے۔

چوتھی قسم:۔

"وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ"

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

قال البغوی وھم قسمان قسم مسلمون و قسم کفار الخ

(تفسیر مظہری ج 4 ج 234)

بغوی نے کہا مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں ایک قسم مسلمانوں کی اور ایک قسم کافروں کی۔ پھر مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ''مؤلفۃ القلوب'' کی وہ ہے جو اسلام میں داخل ہوئے اور ان کی نیت کمزور تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام میں الفت کے لیے عطا فرماتے تھے۔ جیسے عینیہ بن بدر، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس تھے۔ یا اسلام میں ان کی نیت قوی تھی اور وہ اپنے قوم کے شرفاء میں سے تھے مثل عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر کہ آپ ان کی مال سے دلجوئی اس لیے فرماتے تھے کہ ان کی قوم کو اسلام کی الفت دی جائے اور اسلام میں ان کی ہم مثلوں کو ترغیب دی جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ امام کے لیے جائز ہے کہ مال غنیمت کے خمس کے خمس سے اور ''فیئ'' جو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے سے ان کو دے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ان کو دیتے تھے اور زکوٰۃ سے ان کو نہیں دیتے تھے۔ اور مسلمانوں کی دوسری قسم کے ''مؤلفۃ القلوب'' وہ لوگ تھے جو کافروں کے مقابلہ میں کسی ایسی جگہ ہوں جہاں مسلمانوں کے لشکر نہایت جدوجہد کے بعد ہی پہنچ سکتے ہوں۔ اور وہ مسلمان کافروں سے اس لیے نہیں لڑتے کہ ان کی نیتوں میں ضعف تھا یا ان کا حال کمزور تھا۔ تو امام کے لیے جائز ہے کہ صدقہ کے مال سے جو نمازیوں کا حصہ ہے یا بعض کے نزدیک ان صدقات میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ ہے ان کو دے...... روایت ہے کہ عدی بن حاتم اپنی قوم کے تین سو اونٹ صدقہ لے کر آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم کو تیس اونٹ عطا کیے۔ اور کافروں میں سے مؤلفۃ القلوب وہ ہے جس کے شر کا اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچائے گا یا اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو امام کو چاہئے کہ اس کے شر سے بچنے کے لیے اور اسلام میں اس کو ترغیب دینے کے لیے کچھ دے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خمس کا خمس ان کو دیتے تھے۔ جیسا کہ جب

صفوان بن امیہ کا میلان اسلام کی طرف دیکھا تو اس کو عطا فرمایا۔ لیکن آج دن اللہ عزوجل نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اللہ عزوجل کا بے حد شکر ہے اور اسلام کی خاطر لوگوں کو الفت کی پرواہ نہیں رہی تو اب کسی حال میں بھی کسی مشرک کو اسلام کی الفت کے لیے کچھ نہ دیا جائے۔ اور اکثر اہل علم حضرات نے کہا ہے کہ مؤلفۃ القلوب منقطع ہو گئے ہیں اور ان کا حصہ ساقط ہو گیا ہے۔ اور یہ عکرمہ سے مروی ہے اور امام شعبی کا بھی یہی قول ہے امام مالک، ثوری، اسحاق بن راھویہ اور اصحاب رائی نے بھی یہی کہا ہے بعض لوگوں نے کہا ان کا حصہ ثابت ہے اور یہ حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ اور یہی قول امام زہری، ابوجعفر محمد بن علی بن حسین علیہم السلام، ابوثور کا ہے۔ اکثر کتب میں ہے کہ علماء کرام نے مؤلفۃ القلوب کے حکم میں اختلاف کیا ہے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا صدقات کی ان آٹھ اصناف میں سے مؤلفۃ القلوب ساقط ہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے اور اس سے غنی کر دیا ہے۔ یہی امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے۔ ''منہاج'' میں اصحاب شافعی کے اکثرین کے مختار واصح مذہب کے مطابق اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک' مؤلفۃ القلوب مصارف صدقات کے مصرف میں سے ہیں۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اور مؤلفۃ القلوب وہ شخص ہے جو اسلام لایا اور اس کی نیت کمزور ہے یا اس کا شرف ہے اور اس کے دینے سے غیر کا اسلام لانا متوقع ہو۔ اس قول سے ظاہر ہو گیا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی مؤلفۃ القلوب میں سے کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ فقراء و مساکین میں سے کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا ہے کہ وہ مؤلفۃ القلوب میں سے فقیر مسلمان کو زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کرتے۔ کلام صرف مؤلفۃ القلوب میں سے غنی کا ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اپنے اس گمان کی بناء پر کہ تمام اصناف میں فقر غیر معتبر ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ اس بناء پر کہ ان کے نزدیک تمام اصناف میں فقر کا

اعتبار ہے۔ معلوم ہوا مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کے حکم کے جواز میں ان کے درمیان اختلاف نہیں کہ وہ منسوخ ہو چکا ہے بلکہ باقی ہے صرف ساقط ہوا ہے۔ لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا محل کہ مؤلفۃ القلوب جو کافر ہیں ان کو زکوٰۃ دینے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اس کی کوئی وجہ تو ہونی چاہئے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاف کے لیے زکوٰۃ کا کسی کافر کو دینا ثابت ہی نہیں منسوخ کا حکم کیسا۔ اور اگر کوئی کہے کہ ترمذی اور مسلم نے حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے صفوان بن امیہ سے ایک قصہ میں روایت کی انہوں نے کہا مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور آپ مجھے لوگوں سے مبغوض تھے۔ اور آپ مجھے ہمیشہ عطا فرماتے رہے اور آپ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور یہ صریح ہے کہ آپ ان کو بحالت کفر زکوٰۃ دیتے تھے۔ اور تحقیق ''ابن اثیر'' نے بالجزم کہا کہ آپ نے صفوان بن امیہ کو اس کے اسلام لانے سے قبل عطا فرمایا۔ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صفوان بن امیہ کو عطا کرنا غنائم حنین سے تھا اور صفوان اس وقت کافر تھے۔ اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ رافعی کا یہ دعویٰ کہ آپ نے صفوان کو زکوٰۃ سے عطا فرمایا یہ ان کا وہم ہے اور درست نہیں ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خمس کے خمس میں سے تھے اس پر امام بیہقی نے جزم فرمایا اور ابن سید الناس اور ابن کثیر اور ان کے علاوہ دیگر علماء کا بھی یہی قول ہے۔ نسخ کے بیان میں امام ابن ہمام نے کہا کہ طبرانی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کو سند بنایا ہے کہ جب عینیہ بن حصین ان کے پاس آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا حق تمہارے ربّ کی طرف سے ہے جس کا دل چاہئے ایمان لائے اور جس کا دل چاہئے کفر اختیار کرے۔ یعنی آج مؤلفۃ القلوب نہیں رہے۔ اور اس کے علاوہ اس باب میں دیگر روایات بھی ہیں، ابن ہمام فرماتے ہیں کہ قول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہ ناسخ کا احتمال رکھتا ہے اور نہ ہی اللہ عزوجل کے اس فرمان ''فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر'' میں سہم مؤلفۃ القلوب کے نسخ کی کوئی دلالت ہے۔ اور جب ثابت ہوگیا کہ مؤلفۃ القلوب کا حکم باقی

ہے منسوخ نہیں لیکن مؤلفۃ القلوب سے کافر مراد نہیں بلکہ ان میں سے مسلمانوں کے ساتھ حکم مخصوص ہے اور اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ سے عطا کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں جب مؤلفۃ القلوب سے کافر مخصوص ہے تو ضروری ہے کہ ان احادیث کے مطابق جو غنی کو زکوٰۃ دینے کی عدم حلت میں وارد ہوئی ہیں مؤلفۃ القلوب سے ان کو بھی مخصوص کرلیا جائے۔ اور جب غنی مسلمان مؤلفۃ القلوب سے مخصوص ہوگیا تو فقراء مؤلفۃ القلوب کا حکم باقی رہ گیا۔ تو ظاہر ہوگیا کہ فقراء بھی مؤلفۃ القلوب سے ہیں۔ اور مساکین کا عطف، عطف الخاص علی العام کے قبیل میں سے ہے۔

اس توضیح وتشریح کا ماحاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیۃ مقدسہ میں جو اصناف صدقات بیان کی گئی ہیں ان سب میں فقر شرط ہے۔ کہ وہ فقیر ہوں غنی نہ ہوں۔ اور وہ سب مسلمان ہوں کافر نہ ہوں۔ لہٰذا اس آیۃ مقدسہ سے کئی مسائل حل ہوئے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مؤلفۃ القلوب کے متعلق مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ صحیح ہے۔ (فتح القدیر ج دوم ص 202)

صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں:

فاما المؤلفة من المشركين فانما يعطون من مال الفيى لا من الصدقات (الخ ج16 ص111) یعنی مؤلفۃ القلوب مشرکوں میں سے انہیں مال فئی سے عطا کیا جاتا تھا نہ صدقات سے۔ اور قول واحدی ہے کہ ''ان الله اغنى المسلمين عن تالف قلوب المشركين'' سے کئی دفعہ وہم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مال زکوٰۃ سے عطا فرماتے تھے یہ غلط ہے بلکہ ہم نے بیان کیا انہیں مال فئی سے دیا جاتا تھا۔

صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں:

وقال علاء الدين عبدالعزيز ولا حسن ان يقال الخ

(روح المعانی ج10 ص122)

علاؤ الدین عبدالعزیز نے کہا اور بہت اچھا ہے کہ یہ کہا جائے، کہ من حیث المعنی جو زمانہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اس کی تقریر یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کی مال سے دلجوئی کرنا اس سے مقصود اعزاز اسلام تھا کیونکہ اس وقت بوجہ غلبہ اہل کفر اسلام کمزور تھا۔ اور اعزاز ان کی دلجوئی میں تھا۔ اور جب اہل اسلام کے غلبہ کے باعث حال تبدیل ہوگیا تو اسلام کا اعزاز اس کے منع میں ہوگیا۔ گویا کہ اس زمانہ اقدس میں عطاء اور اس زمانہ میں منع اعزاز دین کے لیے قائم مقام آلہ کے ہے اور اصل مقصود اعزاز دین ہے اور وہ اپنے حال پر باقی ہے اور یہ نسخ نہیں ہوتا۔ مثل مقیم کے یہ توجیہہ بہت اچھی ہے۔

پانچویں قسم:۔

صاحب تفسیر البحر المحیط فرماتے ہیں۔

قال الزمخشری (فان قلت) لما عدل عن اللام الٰی "فی" فی الاربعة الاخیره ۔ (قلت) تفسیر البحر المحیط ج 5 ص 61)

زمخشری نے کہا اگر تو کہے کہ آخری چار اصناف میں صرف "لام" سے حرف "فی" کی طرف کیوں عدول کیا گیا۔ میں کہتا ہوں۔ یہ بتلانے کے لیے کہ آخری چار اصناف پر صدقہ کرتے میں پہلے چار اصناف کے استحقاق سے یہ آخری چار اصناف زیادہ مستحق ہیں (یعنی لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ) سے (وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ، فِيْ سَبِيْلِ وَابْنَ السَّبِيْلِ) یہ چار اصناف استحقاق میں راسخ ہیں۔ اس میں رمز یہ ہے کہ صرف فی وعاء (برتن) کے لیے ہے تو یہ اس بات پر تنبیہہ ہے کہ وہی بہت حقدار ہیں کہ صدقات ان ہی میں رکھے جائیں۔ اور صرف "فی" کا "وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ" میں تکرار، اس میں ان دونوں (فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ) کے لیے (فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ) پر ترجیح دینے کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ آخری دونوں اصناف۔ پہلے دونوں اصناف سے فضیلت میں مرجح ہیں۔

اور "فِي الرِّقَابِ" میں حذف ہے یعنی "فی فك الرقاب" ہے اور "رقاب" سے مراد مکاتبین ہیں۔ یعنی وہ غلام ہیں جن کو مالک کہے کہ تم اتنی رقم دو اور تم آزاد ہو۔

اللہ عزوجل نے فرمایا کہ ان کی گردن چھوڑانے میں مال زکوٰۃ سے ان کی مدد کرو۔

صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ "فِی الرِّقَابِ" کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ جب اللہ عزوجل نے "الرقاب" کا ذکر فرمایا تو حرف "لام" کو حرف "فی" کے ساتھ تبدیل فرمادیا۔ اور فرمایا "فِی الرِّقَابِ" اس فرق کا کوئی ضرور فائدہ ہوگا۔ اور فائدہ یہ ہے کہ یہ اصناف رابعہ جو اس سے پہلے مذکور ہیں۔ ان کو صدقات سے ان کا حصہ دینے میں یہ فائدہ ہے کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کر سکتے ہیں۔ لیکن (فِی الرِّقَابِ) ان کا حصہ ان کی غلامی کی گردن چھوڑانے میں رکھ دیا گیا ہے۔ نہ کہ ان کو سپرد کرنا مراد ہے۔ لہٰذا وہ اس حصہ میں جیسے چاہیں تصرف کریں ممکن نہیں۔ بلکہ ان کی گردن چھوڑانے کے لیے رکھا گیا ہے کہ ان کی طرف سے ادا کریں۔ اسی طرح اللہ عزوجل کے قول "فِی الْغَارِمِیْنَ" میں کہ ان کے قرضوں کے پورا کرنے میں صرف کئے جائیں۔ اور "فِیْ سَبِیْلِ" میں جنگ وغیرہ میں جن کی ان کو احتیاج ہے ان کی تیاری میں خرچ کئے جائیں۔ اور "وَابْنَ السَّبِیْلِ" بھی اسی طرح ہے۔ الحاصل پہلی چار اصناف میں مال ان کے سپرد کیا جائے حتیٰ کہ وہ اس میں جب چاہیں تصرف کریں، اور آخری چار اصناف میں مال ان کے سپرد نہیں کیا گیا۔ بلکہ حاجات کی صفات معتبرہ میں اس کو خرچ کیا جائے۔ وہ اس لیے زکوٰۃ کے حصہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج 16 ص 112)

چھٹی قسم:-

اللہ عزوجل کا فرمان "وَالْغَارِمِیْنَ"

صاحب تفسیر مظہری اور دیگر ائمہ مفسرین نے اس آیۃ کریمہ کے ماتحت لکھا ہے۔

اور وہ لوگ جو مقروض ہیں۔ ان کو بھی مال زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے۔ بشرطیکہ قرض معصیت وغیرہ کا نہ ہو جیسے شراب نوشی، جوئے اور دیگر خلاف شریعت اُمور کے باعث نہ ہو تو ایسے مقروض کا مال زکوٰۃ سے قرضہ ادا کرنا جائز ہے۔ اور صحیح یہی ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے اگر قرض بسبب معصیت ہو تو وہ اس آیۃ مقدسہ میں داخل نہیں۔ امام

نووی رحمتہ اللہ علیہ نے ''المنہاج'' میں فرمایا اگر اس آدمی نے معصیت سے توبہ کر لی تو اس کا قرض مال زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اکثر مفسرین نے مقروض کی تین اقسام بیان کیں ہیں۔ قسم اوّل وہ لوگ ہیں جو غیر معصیت میں مقروض ہوئے (یعنی شرعی حاجات کے ایفاء میں) جب ان کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ اپنا قرض پورا کرسکیں تو انہیں مال صدقہ سے اتنا دیا جائے جس سے اُن کا قرض پورا ہو جائے۔ اور اگر ان کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنا قرض پورا کرسکتے ہیں تو انہیں مال زکوٰۃ سے نہ دیا جائے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اچھے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی بنا پر مقروض ہوں انہیں مال صدقہ سے دیا جائے اگر چہ وہ غنی ہی ہوں۔ اور قسم سوم وہ لوگ جو اللہ عزوجل کی معصیت کے باعث اور اسراف کی وجہ سے مقروض ہوں انہیں مال صدقہ سے کچھ نہ دیا جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر وہ مقروض جو اپنا قرض ادا کرنے کے بعد فاضل نصاب کا مالک نہ ہو بوجہ عموم لفظ اس کو مال زکوٰۃ سے دیا جائے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ فقیر ہے کیونکہ اس کا مال دین کے ساتھ مشغول ہے۔ اور ہر وہ مقروض جو اپنا قرض ادا کرنے کے بعد فاضل نصاب کا مالک ہے اسے زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے۔ اور یہی قول امام احمد و امام مالک رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ جو طاعت میں مدیون ہے اس کو مال زکوٰۃ کا مستحق سمجھتے ہیں اگر چہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہو بخلاف امام ابوحنیفہ، احمد اور مالک رحمہم اللہ اجمعین کے۔

ساتویں قسم:۔

اللہ عزوجل کا فرمان ''فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ''

صاحب تفسیر خازن اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں۔

یعنی وفی النفقة فی سبیل اللہ و اراد به الغزاة فلهم سهم من مال الصدقات فیعطون اذا اراد والخروج الی الغزو ۔

(تفسیر خازن ج دوم ص 254)

یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس سے مراد مجاہدین ہیں اور ان کا مال صدقات سے حصہ ہے جب وہ جنگ کے لیے نکلیں انہیں ان کا حصہ دیا جائے تا کہ امور جہاد میں وہ اس سے مدد حاصل کر سکیں۔ وہ خرچہ ہے۔ لباس ہے ہتھیار وغیرہ اور سواری وغیرہ ہیں۔ اور ان کو مال صدقات سے دیا جائے اگر چہ وہ غنی ہوں۔

تفسیر مظہری میں ہے۔ امام شافعی، ابو یوسف اور جمہور علماء کے نزدیک اس سے مراد وہ مجاہدین ہیں جن کے پاس ہتھیار وغیرہ نہ ہوں جس کی وجہ سے وہ جہاد نہ کر سکتے ہوں انہیں مال صدقات سے دیا جائے۔ اور امام احمد اور محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک وہ حج کرنے والا ہے جس کی عبادت یعنی حج میں کوئی خرچہ وغیرہ ختم ہو جائے۔ یا سواری وغیرہ نہ ہو تو مال صدقات سے ان کی اعانت کی جائے۔

صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں۔ مفسرین کے نزدیک ''فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' سے مراد مجاہدین ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا مال زکوٰۃ سے مجاہد کا لینا اگر چہ وہ غنی ہو جائز ہے۔ اور امام مالک، اسحٰق اور ابی عبید کا بھی یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک غازی جب تک محتاج نہ ہو اس کو زکوٰۃ سے کچھ بھی نہ دیا جائے۔

صاحب تفسیر روح المعانی نے جصاص کی ''الاحکام'' سے نقل کیا کہ جو شخص اپنے شہر میں غنی اور اپنے گھر میں غنی ہے اس کے پاس خادم بھی ہیں اور گھوڑا وغیرہ بھی اور فاضل دراہم بھی حتیٰ کہ اس لیے صدقہ حلال نہیں اور جب وہ سفر جہاد کا عازم ہو اور ان کو جہاد کی تیاری اور اسلحہ وغیرہ کی احتیاج ہو جو بحالت مقیم ان کا محتاج نہ تھا اور اب ان کا محتاج ہے اسے مال صدقہ سے دینا چاہئے اگر چہ وہ اپنے شہر میں غنی تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''الصدقة علی للغازی الغنی'' یعنی غازی غنی کے لیے صدقہ جائز ہے کا معنی یہی ہے۔ معلوم ہوا غازی کو صدقہ دینا جائز ہے جبکہ وہ محتاج ہو اور اسی طرح منقطع الحاج کو بھی مال صدقات سے دینا اور اس کی اعانت کرنا جائز ہے جبکہ وہ محتاج ہو۔

صاحب تفسیر صادی اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

ومذهب مالك ان طلبة العلم المنهمكين فيه لهم الأخذ من الزكوٰة ولو اغنياء اذا انقطع حقهم من بيت المال لا نهم مجاهدون ۔ (تفسیر صادی ج دوم ص 144)

امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ طالب علم جو علم کے حصول میں مشغول ہیں مال زکوٰۃ سے ان کا لینا جائز ہے اگرچہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ بیت المال سے ان کا حق ختم کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ وہ مجاہدین ہیں۔ معلوم ہوا ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' سے مراد علماء کے نزدیک دینی طلباء بھی فرد ہیں لہٰذا وہ بھی زکوٰۃ کا استحقاق رکھتے ہیں۔

صاحب تفسیر روح المعانی اس جگہ فرماتے ہیں بعض کے نزدیک ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' سے مراد طالب علم ہیں اور فتاویٰ ظہیرہ میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ (ج10 ص 123)

تفسیر مظہری میں ہے۔ جب فقر جملہ اصناف میں ماخوذ ہے تو اوّل اور بہترین ہے کہ ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کو حج اور جہاد کے ساتھ خاص نہ کیا جائے۔ بلکہ ان دونوں اور جملہ ابواب خیر میں سے ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کو عموم پر چھوڑ دیا جائے یعنی جو بھی امور خیر ہیں وہ سب مراد لیے جائیں۔ اس بنا پر صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔ جس آدمی نے اپنا مال طالب علم پر خرچ کیا اس نے اللہ عزوجل کے اس فرمان ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کی تصدیق کر دی معلوم ہوا علماء کے نزدیک ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے عموم میں طالب علم بھی داخل ہیں لہٰذا وہ بھی زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ (تفسیر مظہری ج 4 ص 239)

فردوس الاخبار للدیلمی میں حضرت عبادہ بن صامت سے ایک روایت ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تسدید القوس میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ سند الفردوس جو ان کے بیٹے نے لکھی ہے اس میں اس حدیث کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ معلوم نہیں یہ مرفوع ہے یا موقوف یا اور کس محدث نے اس کی تخریج کی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

صدقة المؤمن الواحد يرفعها الٰى طالب بتسع مائة لان طالب العلم حافظ الدين ۔ (فردوس الاخبار ج دوم ص 554 مکتبہ اشرفیہ سانگلہ ہل)

یعنی مومن کا ایک صدقہ جو وہ طالب علم کو دیتا ہے وہ نو سو 900 عام صدقات کے برابر ہے کیونکہ طالب علم دین کا محافظ ہے۔ معلوم ہوا علماء کرام کا ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے عموم میں طالب علم کا داخل کرنا درحقیقت اللہ عزوجل کے اس فرمان کی تصدیق ہے۔

علامہ ابن العابدین شامی رحمتہ اللہ علیہ ردالمختار شرح درمختار میں فرماتے ہیں۔

مبسوط میں ہے جو نصاب کا مالک ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں سوائے طالب علم اور نمازی اور منقطع الحج کے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے پاس چالیس سال کا خرچہ کیوں نہ ہو۔

(درمختار ج دوم ص 65)

اس ناچیز نے اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا سلطان احمد رحمتہ اللہ علیہ و نور اللہ مرقدہٗ سے اس حدیث مبارکہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا حدیث کے صحت وسقم کا انحصار ناقل پر ہوتا ہے لہٰذا چونکہ علامہ ابن العابدین رحمتہ اللہ علیہ معتمد ہیں اس لیے ان کی یہ نقل صحیح اور درست ہے۔ علامہ ابن العابدین شامی رحمتہ اللہ علیہ ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے ماتحت فرماتے ہیں۔ اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ اور مرغینانی میں ہے کہ اس سے مراد طالب علم ہیں۔ اور سروجی نے اس معنی کو مفہوم آیت سے نہایت دور سمجھا ہے۔ اس لیے کہ جب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی اس وقت ایسے لوگ نہ تھے جن کو طالب علم سے موسوم کیا جاتا تھا۔ امام شرنبلانی رضی اللہ عنہ نے امام سروجی کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام سروجی کا یہ قول بذات خود بعید ہے کیونکہ طلبِ علم تو استفادہ کا نام ہے اور کیا کوئی طالب اس مقام و رتبہ کو پہنچ سکتا ہے جس نے احکام سیکھنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو اختیار کیا اور لازم پکڑا جیسے اصحاب صفہ۔ لہٰذا اللہ عزوجل کے فرمان ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کی طالب علم کے ساتھ تفسیر خصوصی مرتبہ کی حامل ہے۔ (ردالمختار ج دوم ص 67)

اور اس طرح بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں ''وقیل طلبة العلم'' اور فتاویٰ ظہیرہ میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ (بحرالرائق ج دوم ص 242)

علماء کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کے فرمان ''وَفِی سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے عموم میں طالب علم بھی داخل ہیں۔ لہٰذا مصارف زکوٰۃ کا یہ بہترین مصرف ہیں۔ میرے خیال میں دور ہذا میں سب سے بہترین اور بمطابق شریعت مطہرہ دینی مدارس کے طلباء ہی اس کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ جو شرائط مصرف زکوٰۃ کی علماء کرام نے بیان فرمائیں ان کا اس دور میں تحقق بہت مشکل ہے اس لیے طالب علم میں کوئی شرط نہیں۔ وہ خواہ غنی ہو اس کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ بہ نسبت دوسرے مصارف کے اس مصرف میں ایک صدقہ کا ثواب نوسو 900 ہے۔

اللہ عزوجل عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آٹھویں قسم:۔

اللہ عزوجل کا فرمان (وابن السبیل)

صاحب تفسیر مظہری اس کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں۔

مسافر یا تو نصاب کا مالک ہوگا جو زکوٰۃ کے مانع ہے۔ یا وہ نصاب کا مالک نہیں ہوگا تو اس دوسری صورت میں بالاتفاق اس کو مال صدقات سے دیا جائے اور اس کی اعانت کی جائے۔ خواہ وہ سفر کی حالت میں ہو یا سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور دوسری صورت یعنی وہ مسافر نصاب کا مالک ہے اگر اس کے پاس بقدر نصاب اتنا مال ہے جس سے وہ اس شہر میں جہاں جانا چاہتا ہے جا سکتا ہے اس مسافر کی مطلقاً مال زکوٰۃ سے اعانت نہ کی جائے۔ خواہ وہ اثنائے سفر میں ہو یا ارادہ سفر رکھتا ہو۔ اور اگر اس کا اپنے شہر میں اکثر مال ہے لیکن اس وقت اس کے پاس کچھ نہیں اور وہ بحالت سفر ہے اور اس کے پاس جو مال ہے نصاب سے کم ہے اور اتنا نہیں کہ وہ اس سے اپنے شہر پہنچ سکے جہاں اس کا بکثرت مال ہے تو ایسے مسافر کو بالاتفاق مال صدقات سے دیا جائے اور اس آیۃ کریمہ میں یہی مسافر مراد ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری ج 4 ص 239)

حضرت علامہ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر نہایت

محققانہ تقریر فرمائی ہے کہ مسافر کون ہے اور اس کو کس وقت زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے۔ اگر اس کی تفصیل مطلوب ہو تو ضرور اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں انشاء اللہ نہایت ہی مفید مسائل آپ کو حاصل ہوں گے۔

(ضروری نوٹ) مندرجہ ذیل لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(1) غنی اور اس کا غلام، (2) ہاشمی یعنی سید اور وہ یہ ہیں آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب اور ان کے غلام" (3) اصل یعنی دادا وغیرہ اگرچہ کتنا ہی اوپر چلا جائے اور (4) فرع یعنی اولاد اگرچہ جتنا ہی نیچے چلی جائے۔ (5) اپنی بیوی اور غلام۔

زکوٰۃ وغیرہ کا ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ تنزیہی میں سے ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فرمایا ان کے اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے فقراء کو دے دو ہاں اگر اس کا کوئی رشتہ دار دوسرے شہر میں رہتا ہو اور محتاج قابل زکوٰۃ ہو تو وہاں زکوٰۃ بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ قرابت داروں میں زکوٰۃ دینا دوگنا ثواب کا حامل ہے۔ ایک زکوٰۃ دینے کا ثواب اور دوسرا قرابت میں خرچ کرنے کا ثواب۔ یا دوسرے شہر والے اس اہل شہر سے زیادہ مستحق یا حاجب مند ہوں تو مالی زکوٰۃ وغیرہ دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے لیکن لیکن بلاضرورت مال زکوٰۃ کا دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے۔

علامہ حصکفی رحمتہ اللہ علیہ صاحب درمختار۔ اپنی کتاب درالمنتقی فی شرح الملتقی میں فرماتے ہیں۔

ابوحفص نے کہا اس شخص کو زکوٰۃ نہ دی جائے جو نماز کبھی کبھی پڑھتا ہو اگر ایسے شخص کو زکوٰۃ دے دی تو کفایت کرے گی لیکن بے نمازی کو زکوٰۃ دینے سے اجتناب بہتر ہے۔ فرماتے ہیں فقیر عالم پر صدقہ کرنا جاہل پر صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ فرماتے ہیں زکوٰۃ دینے کا سلسلہ اپنے قریبی رشتہ داروں سے شروع کیا جانا چاہئے پھر اپنے پڑوسیوں سے۔ کہا گیا ہے اس آدمی کا صدقہ قبول نہیں کہ جس کے ذی

قرابت محتاج ہوں حتیٰ کہ سب سے پہلے ان کو صدقہ دے پھر اور لوگوں کو۔ علامہ علیہ الرحمہ نے افضلیت کی ترتیب یوں بیان فرمائی ہے افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائی اور ان کی اولاد۔ پھر اپنے چچا اور پھوپھی اور ان کی اولاد۔ پھر ماموں اور خالہ اور ان کی اولاد۔ پھر اس کے بعد پڑوسی پھر اہل محلّہ پھر اس کے بعد جہاں چاہے صدقہ و خیرات کرے۔

درالمنتقی فی شرح الملتقی . علی حاشیة مجمع الانهر ج اوّل ص 226 .

اس کے ساتھ مصارف صدقات کا بیان اپنے اختتام کو پہنچا اللہ عزوجل ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ نبیك الامین الكريم)

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے اختلاف کے بیان میں

محترم قارئین کرام! جب بھی قربانی کا ذکر ہوگا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی اسم گرامی ضرور حاشیہ ذہن میں منقش ہوگا۔ کیونکہ ہماری یہ مالی عبادت در حقیقت سنت ابراہیمی کا احیاء ہے۔ جو انہوں نے بحکم خدا میدان منیٰ میں اس کی تعمیل کی تھی۔ اور اپنے فرزند ارجمند سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم خدا پر قربان کیا تھا۔ آج ہم سب مسلمان علم اسلام کے سایہ میں ہر سال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے قربانیاں کرتے ہیں۔ لہٰذا احکام قربانی کی تکمیل ہی حضرت سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد ہے۔ ان کے ذکر کے بغیر نہ قربانی ہے اور نہ ہی ایمان۔ قربانی و ایمان کی تکمیل کا راز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت میں مضمر و مخفی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ آپ نبی الانبیاء، شفیع المذنبین جناب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ارجمند ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے فقط آپ ہی نبی ہیں اور کوئی نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے پیدا نہیں ہوا لہٰذا ان کا ذکر جان ایمان ہے۔ بعض ملحدین نے اخبار یہود و نصاریٰ کے مطابق قرآن معظم میں یہ طعن کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ نسب خطا ہے درست نہیں۔ (یعنی وَاِذْ قَالَ اِبْـرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰذَرَ) اور صریح

قرآن کے مقابلہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے نہایت مریض تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ان کی عادت بن چکی تھی اگر یہ نسب جھوٹ ہوتا تو اس کی تکذیب سے ان کا سکوت عادتاً ممتنع ہوتا۔ اور جب انہوں نے اس کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوگیا یہ نسب صحیح ہے۔ صرف اختلاف نام میں ہے۔

ہمارے اکابرین علماء کرام نے اس کی تصدیق کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب صحیح اور درست ہے اور ہمارے بعض متاخرین علماء کرام نے محض شیعہ کے قول کی حکایت سن کر ان کا تعاقب کرتے ہوئے اس آیۃ کریمہ کے ماتحت لا حاصل بحث کا سلسلہ شروع کردیا۔ صاحب عقائق الحقائق ابو نجیم رکن الدین نے اپنی اس کتاب میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول اللہ عزوجل کے فرمان ''وتقلبک فی الساجدین'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''لم ازل انقلب من اصلاب الطاهرين الٰى أرحام الطاهرات '' سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعوں کی متابعت کی ہے کیونکہ ابن حیان نحوی نے اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں اس آیۃ کریمہ اور اس حدیث مبارکہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیعوں نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مسلمان تھے۔ اور ہمارے علماء کرام متاخرین نے یہ سمجھتے ہوئے کہ شیعہ حضرات قرآن و سنت کے مخالف ہیں۔ محض اس مخالفت کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کو کافر قرار دیا۔ حالانکہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعوں کی متابعت نہیں کی۔ اگر وہ ان کی متابعت کرتے تو اس طرح کہتے رافضیوں نے یہ کہا ہے۔ حالانکہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اکابر ائمہ اہل سنت میں سے ہیں۔ انہوں نے شیعوں کی متابعت نہیں کی اور نہ ہی ابن حیان نحوی کے قول کو دلیل بنایا ہے بلکہ انہوں نے متقدمین علماء اہل سنت کی متابعت کرتے ہوئے کہا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں۔ اور یہ قول صرف امام فخر الدین رازی نے نقل

نہیں کیا اور ان دونوں (آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ) سے استدلال نہیں کیا بلکہ امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ بھی اکثر ائمہ اہل سنت نے ان دونوں کو والد حضرت ابراہیم کے مسلمان ہونے پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، ابن جریج، سدی اور ابن منذر وغیرہم رضی اللہ عنہم، لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مسلمان ہونے کا استدلال شیعوں کا قول نہیں بلکہ ائمہ اہل سنت کا مذہب۔ لہٰذا میں نے اس مسئلہ کو خصوصیت کا حامل سمجھتے ہوئے۔ اس کی توضیح وتشریح کو لائق ومناسب سمجھا تا کہ جو اِشکال اس آیۃ کریمہ میں علماء کرام کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اس کو بیان کیا جائے اور تحقیق حق اور بطلان باطل کو آشکارہ کیا جائے۔ کہ علماء کرام میں سے اس مسئلہ میں صحیح اور درست سمت میں کون ہیں۔ اور کون تساہل وغفلت کا شکار ہوتے ہیں۔

اقول و با اللہ التوفیق وبیدہ اذمۃ التحقیق:۔

اللہ عزوجل کا فرمان ''وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰذَرَ'' (سورۃ آل عمران آیت 74)

''اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا۔

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والد تھے یا چچا، بیضاوی وغیرہ نے کہا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا اور بت پرست تھے کافر تھے۔ کیونکہ لفظ ''اب'' کی یہی دلالت ہے۔ اور یہی کلام اللہ کے ظاہر کے مطابق وموافق ہے۔

لیکن اکثرین ائمہ اہل سنت نے فرمایا علامہ بیضاوی اور دیگر علمائے کرام سے تساہل واقع ہوا ہے۔ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد حقیقی کا نام تارخ تھا اور آذر آپ کے چچا کا نام ہے۔

مجد الدین محمد فیروز آبادی شیرازی ''القاموس'' میں لکھتے ہیں۔

وکلمة ذم فی بعض اللغات واسم عم ابراهيم واما ابوه فانّهٗ تارخ . (قاموس ص 225)

یعنی آذر بعض لغات میں کلمہ ذم ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے اور آپ کے والد کا نام تارخ ہے۔ معلوم ہوا ''آذر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔

لسان العرب علامہ ابن منظور میں ہے۔

ولیس بین النسابین اختلاف ان اسم ابیه کان تارخ .

(لسان العرب ج اوّل ص 132)

یعنی نسابین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے لہٰذا جملہ نسابین کے نزدیک حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ''کتاب الانبیاء'' باب ''**واتخذ الله ابراهيم خليلا**'' کے ماتحت لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام تارخ ''بحاء مہملہ'' ہے اور جمہور نسابین کے نزدیک اس میں اختلاف نہیں اور یہی صحیح ہے۔

(فتح الباری ج6 ص 388)

حافظ عمادالدین ابن کثیر ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں۔

هذا يدل علٰى ان اسم ابى ابراهيم آذر . وجمهور اهل النسب منهم ابن عباس رضى الله عنه علٰى ان اسم ابيه تارخ واهل الكتاب يقولون تارخ بحاء المعجمة . (البدایہ والنہایہ ج اوّل ص 142)

فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آذر تھا۔ اور جمہور اہل نسب ان میں سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح ہے اور اہل کتاب تارخ بحاء معجمہ کہتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر کی اس تصریح سے ثابت ہوا جمہور اہل نسب اور اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔

شیخ سلیمان جمل تفسیر جمل میں لکھتے ہیں:

(فائدہ) قد جری المفسرون علٰی ان آذر اسم ابیه وهو مشکل بما تقرر فی السیر ' الخ ۔ (ج دوم ص 49)

یعنی مفسرین کرام اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آذر ہے اور جو کتب سیرت میں منقول و ثابت ہے اس کے باعث مشکل ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمیع نسب عبادت اوثان سے مطہر ہے اس کی دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ہے "وتقلبك فی الساجدین " تو اس دلیل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آذر نہیں۔ اس کا جواب جو شیخ جمل رحمتہ اللہ علیہ نے دیا ہے وہ ذی عقل سلیم کے نزدیک مسلم نہیں اور نہ ہی یہ جواب لائق و مناسب ہے۔ وہ یہ کہ جب تک نور محمدی ان کے اُصلاب میں رہا وہ اس کا محل تھا (یعنی وہ بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے) لیکن ان کی صلبوں سے نور محمدی کے انتقال کے بعد بتوں کی پوجا اور تمام انواع کفر متصور ہیں۔ میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں۔ اصل مدعا شیخ جمل کی یہ عبارت نقل کرنے کا یہ ہے کہ اصحاب سیر کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک عبادت اوثان سے مطہر ہے۔ جب آپ کا نسب شریف پاک ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لامحالہ آذر کو آپ کا چچا ہی تسلیم کرنا پڑے گا ورنہ قرآن حکیم میں آپ کے نسب میں طعن لازم آئے گا۔ (واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب)

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر درمنثور میں فرماتے ہیں۔

اخرج ابن ابی حاتم و ابو الشیخ عن ابن عباس رضی اللہ عنه فی قوله وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰذَرَ" یقول ان ابا ابراهیم لم یکن اسمه اٰذر انما اسمه تارح ۔ (تفسیر درمنثور ج سوم ص 23)

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس فرمان "وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰذَرَ" کے متعلق تخریج کیا کہ آپ فرماتے

تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آذر نہیں بلکہ آپ کے والد کا نام تارح (بحاء مہملہ) تھا۔

معلوم ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا آذر نہیں تھا۔ اور یہی قول صحیح ہے۔

صاحب تفسیر قرطبی اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

تکلم العلماء فی هذا ۔ فقال ابوبکر محمد بن محمد بن الحسن الجوینی الشافعی الاشعری فی النکت من التفسیر له ولیس بین الناس اختلاف فی ان اسم والد ابراهیم تارح الخ

(تفسیر قرطبی جز 7 ص 16)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد میں علماء کا کلام ہے۔ امام جوینی شافعی اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں کہا لوگوں کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔ اور مجاہد نے کہا آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں وہ بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔ یعنی ابراہیم بن تارخ بن ناخور بن ساروغ بن بن ارغو بن تالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ معلوم ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔

صاحب روح المعانی اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

والذی عول علیه الجم الغفیر من اهل السنة ان آذر لم یکن والد ابراهیم علیه السلام وادعوا انه لیس فی آباء النبی صلی الله علیه وسلم کافرًا أصلاً لقوله علیه الصلوٰة والسلام الخ

(تفسیر روح المعانی جز 7 ص 195-194)

فرماتے ہیں۔ اہل سنت میں سے جم غفیر کا جس پر اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ آذر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے۔ اور انہوں کا دعویٰ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام میں سے اصلا کوئی کافر نہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ میں ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اور مشرکین نجس ہیں۔ اس لیے اہل سنت کے اکثرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔ اور اللہ عزوجل کے کلام میں چچا پر باپ کا اطلاق واقع ہوا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان (ام کنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذقال لبنيه ما تعبدون من بعدى قالوا نعبد الهك واله آبائك ابراهيم و اسماعيل اسحاق) اس کریمہ میں لفظ ''اب'' یعنی باپ کا اطلاق لفظ ''عم'' یعنی چچا پر ہے۔ اور دادا پر بھی۔ حضرت اسماعیل چچا لگتے ہیں ان کو لفظ ''اب'' سے تعبیر کیا گیا۔ محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ماموں بھی والد ہے اور چچا بھی والد ہے۔ اور یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی۔ اور حدیث مبارکہ میں ہے ''رددا علیٰ ابی العباس'' میرے چچا کو مجھے واپس کرو یہاں بھی باپ کا اطلاق چچا پر ہے۔ اور بعض نے اپنے دعویٰ کہ حضرت ابراہیم کے حقیقی باپ کافر نہیں تھے بلکہ آپ کے چچا کافر تھا' کی تائید اس بیان سے ہے جو ابن منذر نے اپنی تفسیر میں بسند صحیح حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے حدیث تخریج کی۔ وہ فرماتے ہیں۔ جب نمرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں حتیٰ کہ اگر کوئی بوڑھی عورت ہے وہ بھی لکڑیاں جمع کرتی تھی۔ جب آپ کو نار نمرودی میں ڈال دیا گیا آپ نے فرمایا ''حسبی اللہ تعالٰی ونعم الوکیل'' اللہ عزوجل نے فرمایا ''یا نار کونی بردًا وسلامًا علٰی ابراھیم'' تو وہ نار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گلزار بن گئی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا میری وجہ سے ان سے یہ عذاب دفع ہوا ہے تو اللہ عزوجل نے اس پر آگ کا ایک شرارہ بھیجا وہ اس کے قدم پر گرا اور وہ واصل جہنم ہوا۔ اور اپنے دعویٰ کی تائید میں دوسری حدیث جو محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن بصری اور دیگر سے تخریج کی گئی ہے۔

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لیے ہمیشہ استغفار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ مر گیا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کے بعد آپ نے اس کے لیے استغفار نہیں کی بیضاوی کا قول یہ ہے ''بالموت علی الکفر او اوحی الیہ انہ لن یؤمن '' اور جلالین میں صرف یہی ہے ''باالموت علی الکفر '' مقصد یہ کہ جب آپ کا باپ کفر کی حالت میں مر گیا۔ یا آپ کی طرف وحی کی گئی کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا۔ تو پھر آپ نے اس کے لیے استغفار نہیں کی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ کی موت اور واقعہ نار کے بعد شام کی طرف چلے گئے اور پھر مصر میں داخل ہوئے اور جبار بادشاہ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا سو آیا پھر آپ دوبارہ شام میں تشریف لائے۔ اور آپ کے ساتھ حضرت ہاجرہ بھی تھیں۔ اس کے بعد اللہ عزوجل نے ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکۃ مکرمہ نقل کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دونوں ماں بیٹا کو مکہ مکرمہ منتقل کر دیا تو وہاں آپ نے یہ دعا فرمائی۔

(ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتك المحرم (الی قولہ) ربّ اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب) اس سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ قرآن میں کفر کے ساتھ جو مذکور ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے۔ اس لیے کہ اثر اوّل میں جو تصریح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے مرا تھا وہ آپ کا چچا تھا۔ اور اثر ثانی میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے مرنے کے ایک بہت لمبی مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والدین کے لیے استغفار فرمائی۔ اور اگر مرنے والا آپ کا حقیقی والد ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ استغفار کرنا اصلاً صحیح نہ ہوتا۔ اور جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرنے والا آپ کا کافر چچا تھا۔ جس کو مجازاً باپ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ چچا کی موت کے بعد آپ نے اس کے لیے استغفار نہیں کی۔ اور جس کے لیے چچا کے مرنے کے بعد استغفار کی گئی وہ آپ کے حقیقی والد تھے نہ کہ

آذر۔ اور آیۃ استغفار میں لفظ ''والد'' سے تعبیر اور اس کے علاوہ دوسری جگہ لفظ ''اب'' سے تعبیر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے غیر ہیں۔ یعنی باپ اور ہے اور والد اور ہے۔

صاحب تفسیر کی اس نہایت روشن اور واضح صراحت کے بعد روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ آیت مبارکہ میں ''آذر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا ذکر ہے جو بالاتفاق کافر تھا نہ کہ آپ کے والد کا' کیونکہ آپ کے والد کا نام تارخ ہے اور اسی پر اہل سنت کے اکثرین کا اجماع اور اتفاق ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاوٰی میں رسالہ مسالک الحنفا فی والدی المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں۔ روی ابن سعد فی الطبقات من الکلبی قال ھاجر ابراھیم من بابل الی الشام و ھو یومئذ ابن سبع وثلاثین سنۃ ۔ الٰی اخرھا ۔ (الحاوی للفتاوٰی ج دوم ص 215)

یعنی ابن سعد نے طبقات میں کلبی سے روایت کی انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی اس وقت آپ کی عمر سینتیس 37 سال تھی۔ آپ حران تشریف لائے اور کچھ زمانہ وہاں قیام فرمایا پھر آپ اردن تشریف لے گئے اور وہاں کچھ زمانہ قیام فرمایا۔ پھر آپ مصر کی طرف گئے اور مصر میں کچھ وقت قیام فرمایا پھر آپ دوبارہ شام تشریف لائے اور ایلیا اور فلسطین کے درمیان ایک جگہ ''سبع'' میں نزول اجلال فرما ہوئے پھر شہریوں نے آپ کو اذیت پہنچائی تو آپ ان کے پاس سے رملہ اور ایلیا کے درمیان ایک جگہ منتقل ہوگئے۔

ابن سعد نے واقدی سے روایت کی انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر شریف نوے 90 سال تھی۔ حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان دونوں اثروں (حدیثوں) سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نار کے بعد بابل سے ہجرت اور جو دعا آپ نے مکہ مکرمہ میں اپنے والدین کے لیے فرمائی۔ ان دونوں کے درمیان پچاسی سے زائد سال کا عرصہ

ہے۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والدین کے لیے دعائے استغفار آپ کے چچا کے مرنے سے پچاس سال سے زائد عرصہ کے بعد کرنا معلوم ہوتا ہے اور قرآن مقدس میں جو اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ جب آپ اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے مایوس ہوگئے اور وہ مر گیا تو آپ نے اس کی استغفار سے برات کا اعلان فرمایا۔ تو اس کے مرنے سے پچاس سال بعد مکہ مکرمہ میں والدین کے لیے دعائے مغفرت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ عزوجل کے فرمان ''لابیــــہ آذر'' میں آذر آپ کا چچا تھا جو کافر تھا اور جس کی دعائے مغفرت سے آپ نے بیزاری کا اظہار فرمایا اور پچاس سال بعد جو آپ نے دعائے مغفرت کی وہ آپ کے حقیقی والد تھے جن کا نام تارخ تھا۔ اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو اللہ عزوجل کے فرمان ''لــمــاتبیــن لــہ انــہ عــدو اللہ' ' میں نقص آئے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

(الوجـہ الـرابع) ان والد ابراھیم علیہ السلام کان تارخ و آذر کـان عـمـالـہ ۔ والـعـم قد یطلق علیہ اسم الاب کما حکی اللہ تـعـالـیٰ عـن اولاد یـعـقـوب انھم قالوا (نعبد الھك والہ اٰبائك ابـراھیـم واسماعیل و اسحاق) و معلوم ان اسماعیل کان عما لیعقوب الخ (تفسیر کبیر جز 13 ص 37)

(چوتھی وجہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ تھے اور آذر آپ کا چچا تھا اور لفظ عم (چچا)' کبھی کبھی اس پر لفظ اب (باپ) کا بھی اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد یعقوب علیہ السلام سے حکایت کی کہ انہوں نے کہا ''ہم تیرے معبود حقیقی اور تمہارے آباء حضرت ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معبود کی عبادت کریں گے'' اور معلوم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب کے چچا

تھا لیکن اللہ عزوجل نے آپ کو لفظ اب (باپ) سے تعبیر فرمایا اور اولاد یعقوب علیہ السلام نے ان پر لفظ ''اب'' باپ بولا۔ اسی طرح یہاں ہے کہ ''اب'' سے مراد چچا ہے اور آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ اور کئی وجوہ سے اس پر حجت پکڑی گئی ہے۔

(پہلی حجت) یہ کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے آباء کرام کافر نہیں تھے اور اس پر کئی وجوہ دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے اللہ عزوجل کا فرمان (الذی یراك حین تقوم وتقلبك فی الساجدین) کہا گیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے روح مبارک کو ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل کیا جاتا رہا۔ اس تقدیر پر یہ آیۃ مقدسہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع آباء کرام مسلمان تھے اور اس وقت یقیناً واجب ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مسلمان تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ عزوجل کے فرمان ''وتقلبك فی الساجدین'' میں دوسری وجوہ کا بھی احتمال رکھتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں نہایت یہی ہے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ''وتقلبك فی الساجدین'' کو دوسری وجوہ پر حمل کیا جانا چاہیے۔ اور جب تمام کی تمام روایات وارد ہوں اور ان کے درمیان منافات نہ ہو تو کل پر حمل واجب ہوا اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہوا کہ والد ابراہیم علیہ السلام بتوں کی پوجا کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

اور دوسری وجہ جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام میں کوئی بھی مشرک نہیں تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات) آپ نے فرمایا میں ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان (انما المشركون نجس) اور مشرکین ناپاک ہیں اور یہ واجب کرتا ہے کہ کہا جائے کہ آپ کے آباء و اجداد میں سے کوئی مشرک نہیں تھا۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو کہتے ہیں کہ جو ہم نے ذکر کیا اس سے ثابت ہوا کہ والد

حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے۔اور یہ بھی ثابت ہوا مشرک آذر تھا تو بالیقین واجب ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر کے علاوہ کوئی دوسرے انسان تھے۔

اور امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے دوسری حجت میں اس پر استدلال کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے۔ کیونکہ یہ آیۃ مقدسہ دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بالمشافہ آذر سے شدت وسخت کلامی سے بات کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی کئی وجوہ بیان فرمائیں۔ اگر ذوق ہوتو اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کی اس نفیس تصریح نے ثابت کیا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے بلکہ آذر کے علاوہ کوئی اور انسان آپ کا والد تھا۔ تو جملہ اہل نسب نے آپ کے والد گرامی کا نام تارخ لکھا ہے اور اکثرین علماء واہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی کا کلام کافی ہے کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں اہل سنت کے ایک امام جلیل تھے۔ اور وہ اپنے وقت میں گمراہ فرقوں کے ردّ میں قائم رہے۔ اور اپنے عصر کے مذہب اشاعرہ کے نصرت و اعانت کرتے رہے۔ جس طرف حضرت امام فخر الدین رازی اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہیں تھے اور قرآن حکیم میں آذر سے مراد آپ کے چچا ہیں۔ اس مسلک میں میرے نزدیک ان کی نصرت وتائید میں چند امور ہیں۔

احدھا دلیل استنبطتہ مرکب من مقدمتین الخ

(الحاوی للفتاوٰی ج دوم ص210)

ان امور میں پہلا امر وہ دلیل ہے جس کا استنباط میں نے دو مرکب مقدموں سے کیا ہے۔

(الاولی) احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عبداللہ والد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول میں سے ہر اصل اپنے اہل زمانہ سے بہتر اور افضل ہے۔

(الثانیہ) احادیث وآثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زمانہ حضرت نوح علیہ السلام یا عہد حضرت آدم علیہ السلام سے بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پھر قیام قیامت تک کچھ لوگ دین فطرت پر تھے جس سے زمین خالی نہیں۔ وہ اللہ عزوجل کی عبادت کرتے تھے اس کی توحید بیان کرتے تھے اور اسی ذات واحد کے حضور سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اور ان ہی کے باعث زمین کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ زمین پر ہے سب ہلاک ہو جائے۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تم ان دو مقدموں کو ایک دوسرے سے ملاؤ گے تو ان سے قطعی نتیجہ یہ نکلے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام میں سے کوئی مشرک نہیں تھا۔ ثابت ہوا ان میں سے ہر ایک اپنے زمانہ کا بہتر اور افضل تھا۔ اگر وہ لوگ جو دین فطرت پر ہیں وہی مراد ہیں تو مدعیٰ یہی ہے۔ کہ ان میں سے کوئی مشرک نہیں تھا۔ اور اگر ان سے مراد اہل فطرت نہیں اور وہ مشرک تھے تو دو امروں میں سے ایک امر لازم آئے۔ وہ یہ کہ مشرک مسلمان سے بہتر ہے اور یہ بالاجماع باطل ہے۔ یا اہل فطرت سے دوسرے بہتر ہیں تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ یہ احادیث صحیحہ کی مخالفت ہے۔ تو قطعاً واجب ہوا کہ ان میں مشرک نہ ہوں تاکہ ہر ایک اپنے زمانہ میں اہل زمین کے بہتر وافضل میں سے ہو۔

قارئین کرام! آپ نے حضرت علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کا دو مقدموں سے مرکب استنباط ملاحظہ فرمایا جو اس امر کی دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عبداللہ تک لوگ دین فطرت پر قائم رہے ہیں وہ لوگ اپنے زمانہ کے بہتر اور افضل شمار کئے گئے ہیں اور صحیح بخاری میں جو حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بنی آدم کے ایک زمانہ کے بعد دوسرے زمانہ کے بہترین وقت میں مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ میں اس زمانہ میں جس

میں میں ہوں مبعوث کیا گیا۔تو یہ صحیح حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا حضرت عبداللہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے خیر و افضل لوگوں سے منتقل ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے تو ان لوگوں میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا تو لامحالہ اللہ عزوجل کے فرمان ''لابیہ اٰذر '' میں آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جو کافر تھا اور آپ کے والد مسلمان تھے، میں آپ کے سامنے مقدمہ ثانیہ کے کچھ دلائل پیش کرتا ہوں۔ میں نے بخوف طوالت جو باعث ملالت ہے عربی کی اصل عبارت نقل نہیں کی صرف اس کا ترجمہ نظر قارئین کرتا ہوں۔

(1) عبدالرزاق نے مصنف میں معمر سے انہوں نے ابن جریج سے روایت کی انہوں نے کہا کہ حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہر زمانہ میں زمین پر سات یا اس سے زائد مسلمان موجود رہے ہیں اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور جو اس میں ہے ہلاک ہو جائے۔ شیخین کی شرط پر یہ اسناد صحیح ہے۔ اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں دبری سے انہوں نے عبدالرزاق سے اس سند کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی۔

(2) امام احمد بن حنبل نے ''زھد'' میں اور خلال نے کرامات اولیاء میں بسند صحیح شیخین کی شرط پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد یہ زمین سات مسلمانوں سے خالی نہیں رہی۔ اللہ عزوجل ان ہی کے باعث زمین والوں سے مصائب و آلام دور فرماتا ہے۔

(3) ارزقی نے تاریخ مکہ میں زہیر بن محمد سے تخریج کیا انہوں نے کہا ہمیشہ سات یا اس سے زیادہ...... زمین کی سطح پر مسلمان موجود رہتے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جائیں۔

(4) خلال نے کرامات اولیاء میں زاذان سے تخریج کیا انہوں نے کہا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین میں چودہ مسلمان موجود رہتے ہیں اللہ عزوجل ان کے باعث عذاب کو دور کرتا ہے۔

(5) امام احمد بن حنبل نے زھد میں کعب سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین میں بارہ مسلمان موجود ہوتے ہیں جن کے باعث اللہ عزوجل زمین والوں سے عذاب کو دور کرتا ہے۔

(6) ابن منذر نے اپنی تفسیر میں بسند صحیح ابن جریج سے اللہ عزوجل کے اس فرمان (رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی) کے متعلق تخریج کیا کہ انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ دین فطرت پر موجود ہیں جو اللہ عزوجل کی عبادت کرتے ہیں اور ان تینوں آثار (احادیث) میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کی جو قید واقع ہوئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل سب لوگ ہدایت پر ہے۔

یہ تمام اقوال صحابہ وتابعین اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں جو آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا ہے۔ اس سے مراد چچا ہے کیونکہ باپ کا اطلاق چچا پر عرب میں مشہور ہے۔ اور یہ اطلاق قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ لہٰذا اہل سنت کا مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد میں مرجح ہے کہ آپ کے والد کافر نہیں تھے بلکہ مسلمان تھے اور اس کی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کے لیے دعائے مغفرت کرنا قرآن سے ثابت ہے۔

علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواھب میں لکھتے ہیں۔

وقد ارتضٰی ذالك العلامة المحقق السوسی والتلمسانی محشی الشفاء فقالا لم یتقدم لوالدیه شرك وَكانا مسلمین الخ

(زرقانی علی المواہب ج اول ص 174)

فرماتے ہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول ''واجب ہوا کہ آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی مشرک نہ ہو'' علامہ محقق سنوسی اور محشی شفا شریف علامہ تلمسانی نے اس کو پسند کیا ہے۔ وہ دونوں فرماتے ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے والدین کریمین کا شرک ثابت نہیں اور وہ دونوں مسلمان تھے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ اور یہ صرف اللہ عزوجل کے ساتھ ایمان سے ہی ہوسکتا ہے اور جو مورخین نے نقل کیا ہے یہ قلت حیاء اور ادب کے باعث ہے۔ امام زرقانی فرماتے ہیں۔ یہ آپ کے جمیع آباء کرام میں لازم ہے۔ اگرچہ انہوں نے آپ کے والدین پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ محذور لازم آئے گا۔ شہاب ھیشمی نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل کتب اور تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد نہیں تھا وہ آپ کا چچا تھا۔ اور عرب چچا کا نام باپ سے رکھتے ہیں۔ اور جس نے آیۃ کریمہ کے ظاہر کو لیا مثل بیضاوی وغیرہ انہوں نے تساہل سے کام لیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''درج منیفہ فی آباء شریفہ'' میں فرماتے ہیں ارجح قول یہی ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ جب کہ امام رازی نے کہا۔ آپ کا والد نہیں تھا۔ سلف صالحین کی ایک جماعت امام فخر الدین رازی سے قبل اس طرف گئی ہے جیسا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس، مجاھد، ابن جریج اور سدی کی اسانید سے ثابت کیا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور والد کا نام تارخ ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں میں تاریخ بغداد ابن منذر کے اس اثر (حدیث) پر مطلع ہوا ہوں اور دیکھا ہے جس میں یہ بصراحت لکھا گیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کے چچا تھے۔ (زرقانی علی المواہب ج اوّل ص 176)

صاحب سیرت حلبیہ علی بن برھان الدین حلبی فرماتے ہیں۔

لانانقول :- اجمع اهل الکتاب علٰی ان اٰذر کان عمه ۔

(سیرت حلبیہ ج اوّل ص 48)

ہم کہتے ہیں اہل کتاب کا اس پر اجماع ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ اس کے بعد صاحب حلبیہ نے وہی نقل کیا ہے جو میں نے تفسیر روح المعانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور یہ بعینہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رسالہ ''مسالك الحنفا فی والدی المصطفٰی'' میں نقل فرمایا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وحينئذ يكون ابوه الحقيقى هو المعنى بقول ابى هريرة رضى الله عنه الخ ۔

فرماتے ہیں اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ تارخ ہی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کا یہی معنی ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔

بہترین کلمہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے کہا وہ یہ ہے (کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے دیکھا کہ اس کے بیٹے کو آگ میں ڈال دیا گیا ہے اس حالت پر کہ وہ سبز باغ میں ہیں اور ان کے اردگرد آگ ہے۔ اور سوائے اس رسی کے جس سے آپ کی مشکیں باندھی گئی تھیں آگ نے کچھ نہیں جلایا تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کہا) ''نعم الرب ۔ ربك يا ابراهيم'' اے ابراہیم تمہارا پروردگار بہت ہی اچھا ہے۔ یہ ہے وہ قول جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کلمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کہا تھا وہ بہت ہی اچھا ہے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمان تھے ورنہ مشرک سے اس طرح کا کلمہ ناممکن ومحال ہے اللہ عزوجل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس بحث کے آخر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ کا فیصل و ارجح قول نقل کرتا ہوں اور آپ کے اس قول پر یہ بحث بحمدہ تعالٰی اختتام پذیر ہو جائے گی۔

تفسیر مظہری میں ہے۔

وكان الآزر على الصحيح عما لا براهيم (تفسیر مظہری ج سوم ص 256)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح قول کے مطابق آذر چچا تھے۔ اور عرب لوگ ''عم'' کے لیے لفظ ''اب'' باپ بولا کرتے تھے جیسا کہ اللہ عزوجل کے قول سے ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ (چچا) پہلے اپنے آباء کرام کے دین پر تھا۔

جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کیا۔ پھر جب نمرود کا وزیر بن گیا تو دنیا کی حرص کی خاطر کفر اختیار کرلیا۔ اور اپنے آباء کے دین کو خیر باد کہہ دیا۔

امام رازی نے کہا آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ آپ کا والد نہیں تھا۔ امام زرقانی اور شہاب ہیثمی اور پھر علامہ جلال الدین سیوطی رحہم اللہ نے اس کی تصریح فرمائی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ۔ اللہ عزوجل کے فرمان "ربنا اغفرلی ولوالدی" کے ماتحت لکھتے ہیں:

هذه الاية تدل علىٰ ان والديه عليه السلام كانا مسلمين الخ

(تفسیر مظہری ج5 ص279)

یہ آیۃ مقدسہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مسلمان تھے۔ اور آذر آپ کا چچا تھا۔ اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا۔ اور اس توہم کو رد کرنے کے لیے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا "والـدی" فرمایا یعنی انہوں نے مجھے حقیقتاً جنم دیا ہے اور یہ نہیں کہا "ابـوی" یعنی ماں، باپ کیونکہ لفظ "اب" "عم" پر مجازاً بولا جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے جو صاف اور شفاف الفاظ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق ارقام فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہیں تھے۔ اور لفظ "اب" اور "عـــم" کا توہم رد کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے "والـــدی" فرمایا یعنی میرے والدین وہ ہیں جنہوں نے مجھے حقیقت میں جنم دیا ہے اللہ عزوجل نے اس جگہ "ابوی" نہیں فرمایا تاکہ یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ کبھی "اب" کا اطلاق "عم" چچا پر ہوتا ہے۔ لیکن یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا "والـــدی" سے حکایت کرنا اس بات کی نہایت اہم دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مسلمان تھے اور قرآن معظم میں جو "لابیـــــہ آذر" آیا ہے وہاں "اب" سے مراد اس کا چچا ہے جس کا نام آذر ہے۔

اب علماء کرام کے دلائل قاہرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام آذر تھا جو کافر تھا اور آپ کے والد کا نام تارخ تھا جو مسلمان تھے۔ اس پر علماء اہل سنت کا اجماع ہے اور صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اہم روایات میں یہی مروی ہے۔

اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء ہم سب کو عقیدہ اہل سنت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

من هوا لذبیح

یعنی حضرت اسماعیل و اسحاق علیہما السلام میں سے ذبیح کون ہے؟

اس میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ اور بعض کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں۔ دونوں مذاہب کے پاس دلائل ہیں۔ اس لیے اکثر علماء کرام ان میں سے ارجح اور اصح قول کونسا ہے خاموش ہیں۔ لیکن بعض علماء کرام نے اس مذہب کو ترجیح دی ہے جن کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جو علماء کرام حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں ان کے اکثر دلائل میں اختلاط ہے۔ اور بعض علماء نے ان کو موضوع قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہود۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں انہوں نے حسد کرتے ہوئے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوں۔ انہوں نے روایات میں تحریف کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت کیا۔ اس کے برعکس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق جو روایات ہیں ان میں یہود کی اختلاط و تلبیس نہیں۔ اسی لیے حضرات علماء کرام نے فرمایا قوت دلائل کے اعتبار سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا اظہر، راجح اور صحیح ہے۔ اس بنا پر بعض علماء کرام جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے انہوں نے توقف اختیار کر لیا۔

معلوم ہوا وہ دلائل جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر دلالت کرنے ہیں ان میں یہود کی اختلاط و تلبیس ہے اگر چہ وہ دلائل صحیح اور موضوع حدیث سے متعلق و وابستہ ہوں لیکن ان میں اختلاف والتباس کا اندیشہ موجود ہے۔ بخلاف ان دلائل کے

جن میں اختلاط و التباس کا خوف نہیں وہ باعتبار قوت کے ان دلائل سے قوی ہیں جن میں اختلاط والتباس ہے۔

اب وہ دلائل عرض کرتا ہوں جن میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت ومحقق ہے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ تحقیق حق میں راہ صواب عطا فرمائے۔ (وھو الموفق للصواب)

صاحب تفسیر بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ اللہ عزوجل کے فرمان (قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری) ''سورہ الصّٰفّٰت آیت 102'' کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ (سوچ) تیری کیا رائے ہے۔ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

ولا ظھر ان المخاطب اسماعیل علیہ السلام لا نہ الذی وھب لہ اثر الھجرۃ ولان البشارۃ باسحق بعد معطوفۃ علیٰ البشارۃ بھذا الغلام الخ (تفسیر بیضاوی ج دوم ص 297)

اور اظہر یہ ہے کہ مخاطب حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کئے گئے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے بعد پر معطوف ہے۔ اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مخاطب ہونا ہی اظہر ہے۔

اور اس لیے بھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انا ابن الذبیحین'' میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ان میں سے ایک آپ کے جد مبارک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آپ کے والد حضرت عبداللہ۔ کیونکہ عبدالمطلب نے نذر مانی تھی اگر اللہ عزوجل نے چاہ زمزم کا کھودنا اس کے لیے سہل اور آسان کردیا یا ان کی اولاد دس تک پہنچ گئی تو وہ ایک بیٹا ذبح کریں گے۔ جب اس پر چاہ زمزم کا کھودنا اللہ عزوجل نے سہل و آسان فرمادیا تو عبدالمطلب نے بیٹا ذبح کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی تو قرعہ اندازی میں حضرت عبداللہ والد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نکل آیا۔ تو عبدالمطلب نے

حضرت عبداللہ کے عوض سو اونٹ قربانی دی اسی وجہ سے سنت دیت سو اونٹ مقرر کی گئی۔ تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے والد ہیں جو ذبیح سے مشہور ہیں۔ اور اس لیے بھی مخاطب حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کہ یہ قربانی مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ اور دنبے کے دونوں سینگ کعبہ مشرفہ کے ساتھ معلق کر دیئے گئے تھے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر کے ایام میں کعبہ مشرفہ کے ساتھ وہ بھی جل گئے تھے۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں موجود نہیں تھے۔ اور اس لیے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام مخاطب ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت کے ساتھ مقرون تھی۔ اور اس عمر میں ذبح کا امر مناسب نہیں۔ اور جو یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کون سا نسب اشرف ہے تو آپ نے فرمایا۔ (یوسف صدیق اللہ ابن یعقوب اسرائیل اللہ ابن اسحاق ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ) علامہ عمر بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آپ نے فرمایا (یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم) اور جو اضافہ کیا گیا ہے وہ راوی کی طرف سے ہے۔ انتہی کلامہ۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حدیث صحیح میں جو اضافہ کیا گیا وہ راوی کی طرف سے ہے یہی وہ اختلاط والتباس ہے جس کی بنا پر علماء کرام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے دلائل کو تسلیم نہیں کیا کیونکہ ان میں یہود کی طرف سے التباس ہے۔ اور ان کے ذبیح ہونے کی اکثر روایات یہود سے ہی مروی ہیں اور ان دلائل کو قبول کیا جو قوی ہیں اور جن میں قوت ہے۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔

صاحب تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادی اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

انهم اختلفوا في الذبيح فقال علىٰ ما ذكره الجلال السيوطي في رسالته "القول الفصيح في تعيين الذبيح" علي و ابن عمر رضي الله عنهما الخ (تفسير روح المعاني جز 23 133)

علماء کرام نے ذبیح میں اختلاف کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ مذکور میں ذکر کیا کہ جنہوں نے یہ کہا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں وہ حضرت علی المرتضیٰ، ابن عمر، ابو ہریرہ، ابوطفیل، سعید بن جبیر، مجاھد، شعبی، یوسف بن معران، حسن بصری، محمد بن کعب قرظی، سعید بن میتب، ابوجعفر باقر، ابوصالح، ربیع بن انس، کلبی، ابوعمرو بن علاء اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم اجمعین اور ان کے علاوہ دیگر علماء کرام ہیں۔ کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور ایک جماعت نے اس قول کو ترجیح دی ہے خصوصاً اکثرین محدثین کرام نے اور ابوحاتم نے کہا یہی صحیح ہے۔ اور زادالمعاد لابن قیم میں ہے کہ علماء صحابہ کرام اور تابعین اور ان کے بعد کے علماء کرام کے نزدیک یہی درست ہے۔ انشاء اللہ عنقریب راقم الحروف حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ مذکور کا اصل متن پیش کرے گا اور اس طرح زادالمعاد سے بھی اس کا ذکر کیا جائے گا۔ سید محمود آلوسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوسعید الضریر سے اس شعر کے متعلق دریافت کیا گیا۔

ان الذبیح ھدیت اسماعیل	نص الکتاب والتنزیل
شرف بہ خص الالہ نبینا	واُتی بہ التفسیر والتاویل
ان کنت امتہ فلا تنکرلہ	شرفا بہ قد خصہ التفضیل

یہ ابیات صاحب تفسیر ثعلبی نے اپنی تفسیر میں امیہ بن ابی صلت سے نقل کئے ہیں۔ ان ابیات کا مفہوم یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو نص سے ثابت ہے اگر تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہو تو اس کا انکار نہ کرو۔ اور اس سے استدلال کیا ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہبہ فرمائے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے بعد پر معطوف ہے۔ اس لیے آیۃ کریمہ میں ذبح کا خطاب

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ہی متحقق و ثابت ہے۔ علامہ خفاجی نے کہا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح میں دلائل بہت ہیں اور جملہ اہل کتاب اس پر ہیں۔ اور حدیث میں اس کا معارض منقول نہیں۔ شاید کہ یہ امر (یعنی ذبح) دو دفعہ واقع ہوا ہو۔ ایک بار شام میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا اور دوسری بار حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں۔ اور میرے نزدیک اس قول سے توقف بہتر ہے۔

علامہ خفاجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کی طرف میرا میلان ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ آیت مبارکہ کا ظاہر اس کا تقاضا کرتا ہے۔ اور کثیر ائمہ اہل بیت سے یہی مروی ہے۔ اس کے خلاف جو صحیح اور مرفوع حدیث اس کا تقاضا کرتی ہو میرا اس پر یقین نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب کا حال صاحب عقول پر مخفی نہیں۔ انتھی کلامہ

قارئین کرام! آپ نے علامہ خفاجی رحمتہ اللہ علیہ کا کلام ملاحظہ فرمایا کہ ان کے نزدیک اگر حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے میں صحیح مرفوع حدیث بھی ہو۔ پھر بھی وہ اس پر یقین نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبیح ہونا اہل کتاب سے منقول ہے اور اہل کتاب کا حال صاحب عقول پر مخفی نہیں کہ وہ اختلاط و التباس میں اپنی مثل آپ ہیں۔ اور اس کے خلاف کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں اکثر ائمہ اہل بیت سے مروی ہے اس پر یقین بہتر ہے۔ کیونکہ یہ روایات یہود کی اختلاط و التباس سے مبرہ ہیں۔

صاحب تفسیر کبیر امام رازی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

(المسئلة الثانیه) اختلفوا فی ان هذا الذبیح من هو ۔ فقیل انه اسحاق علیه السلام وهذا قول عمر و علی والعباس بن عبدالمطلب الخ (تفسیر کبیر ج 26 ص 153)

(دوسرا مسئلہ) اس آیۃ مقدسہ میں اس ذبیح میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ وہ کون ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور یہ قول حضرت عمر فاروق، علی المرتضی، عباس بن عبدالمطلب، عبداللہ بن مسعود، کعب الاحبار، قتادہ، سعید

بن جبیر، مسروق، عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیّب، حسن بصری، شعبی، مجاہد اور کلبی کا ہے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح کے قائلین نے بوجوہ حجت اخذ کی ہے۔

(اول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انا ابن الذبیحین'' میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں۔ آپ سے ایک اعرابی نے عرض کیا ''یا ابن الذبیحین'' اے دو ذبیح کے بیٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا تو اس سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو اللہ عزوجل کے لیے نذر مانی کہ اگر اللہ عزوجل نے اس کے امر کو سہل اور آسان کر دیا تو وہ اپنا ایک بیٹا ذبح کرے گا۔ تو ذبح کا قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ تو آپ کے ماموں نے عبدالمطلب کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ اور انہوں نے کہا تم اپنے بیٹے کا سو اونٹ فدیہ دو، تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا سو اونٹ فدیہ دیا یعنی سو اونٹ ذبح کیے۔ اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(دوم) اصمعی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے عمرو بن علاء سے ذبیح کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا اے اصمعی تیری عقل کہاں ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کب مکہ مکرمہ میں تھے۔ مکہ معظمہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اور وہی تھے جنہوں نے اپنے باپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی اور جائے ذبح مکہ مکرمہ میں ہے۔

(سوم) اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر کے ساتھ وصف بیان فرمایا ہے سوائے حضرت اسحاق علیہ السلام کے۔ اللہ عزوجل کا فرمان (و اسماعیل والیسع و ذالکفل کل من الصابرین) اور اس سے ذبح پر آپ کا صبر مراد ہے۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے فرمان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وعدے کا سچا ہونے کا وصف بیان فرمایا ہے (انہ کان صادق الوعد) کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے ذبح پر جو صبر کا وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔

(چہارم) اللہ عزوجل کا فرمان (فبشرناہ باسحق ومن وراء اسحق

یــعــقــوب) ہم کہتے ہیں اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا امر یا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ظہور سے پہلے ہوتا یا بعد میں۔ اور پہلا قول باطل ہے۔ اس لیے کہ جب اللہ عزوجل نے اس کی والدہ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی اور ان کو اس کے ساتھ یہ بشارت بھی دی کہ ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ظہور سے قبل ان کے ذبح کا حکم جائز نہیں۔ ورنہ خلف لازم آئے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا (ومن وراء اسحاق یعقوب) اور دوسرا قول بھی باطل ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل کا فرمان (فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انّی اری فی المنام انی اذبحك) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بیٹا جب دوڑنے پر قادر ہوگا اور اس حد تک پہنچ جائے گا کہ جو اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے ذبح کا حکم دیا ہے اس کے کرنے پر وہ قدرت رکھتا ہو۔ اور یہ قصہ دوسرے وقت میں وقوع کے منافی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ جائز نہیں ہے کہ وہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوں۔

(پنجم) اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکایت بیان فرمائی کہ انہوں نے کہا (انــی ذاهــب الـی ربـی سیهدین) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے بیٹا طلب کیا جس سے وہ تنہائی میں مانوس ہوں۔ اور عرض کیا (رب هــب لـی مـن الصالحین) اے ربّ مجھے ایک صالح فرزند عطا فرما۔ اور یہ سوال صرف اس وقت میں اچھا لگتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی بیٹا نہ ہو۔ کیونکہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں کوئی بیٹا ہوتا تو ایک بیٹے کی طلب نہ کرتے۔ اس لیے کہ طلب حاصل، محال ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان (هــب لی من الصالحین) صرف ایک بیٹے کی طلب کا فائدہ دیتا ہے۔ اور کلمہ "من" تبعیض کے لیے ہے۔ اور بعضیت کے درجات میں سے کم از کم ایک ہے۔ تو گویا اللہ عزوجل کے فرمان (مـن الـصـالحین) نے صرف ایک بیٹے کی طلب کا فائدہ دیا۔ تو ثابت ہوا کہ عدم اولاد کی صورت میں ہیں یہ سوال اچھا لگتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ سوال پہلا بیٹا طلب کرنے میں واقع ہوا ہے۔ اور تمام

لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وجود میں حضرت اسحاق علیہ السلام سے متقدم ہیں تو ثابت ہوا کہ اس دعا سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی مقصود ہیں۔ تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذبیح کا قصہ بیان فرمایا تو واجب ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہوں۔

(ششم) اخبار کثیرۂ دنبہ کے سینگ کعبہ مکرمہ کے ساتھ معلق کرنے میں وارد ہوئے ہیں گویا کہ ذبح مکہ مکرمہ میں تھا اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح شام میں ہوتا۔

حضرت علامہ امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی چھ وجوہات بیان کیں جو اس بات کی دلیل واثق ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور امام رازی رحمتہ اللہ علیہ کا رجحان بھی اس طرف ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد لابن قیم جو "زرقانی" کے حاشیہ پر ہے۔ اس میں یہ منقول ہے۔

واسماعیل ھو الذبیح علی قول الصواب عند علماء الصحابة والتابعین و من بعدھم واما القول بانه اسحاق علیه السلام فباطل باکثر من عشرین وجھا۔ (زاد المعاد علی الزرقانی ج اوّل ص 49)

ابن قیم کا قول ہے کہ علماء صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد دوسرے علمائے تبع تابعین وغیرہ کے نزدیک درست وباصواب قول یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہ قول کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں بیس سے زیادہ وجوہ سے باطل ومردود ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ یہ قول اہل کتاب سے لیا گیا ہے باوجود اس کے کہ ان کی کتاب کی نص کے مطابق یہ قول باطل ہے ان کی کتاب میں یہ منقول ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے پہلے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا۔ اور ایک لفظ میں "وحیدہ" بھی ہے اس کا

معنی بھی وہی ہے یعنی پہلا بیٹا۔ اور اُھل کتاب کو بمعہ مسلمانوں کے اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اور جس چیز نے اس قول یعنی ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کے ماننے والوں کو دھوکہ دیا وہ یہ ہے کہ جو تورات ان کے پاس موجود ہے اس میں منقول ہے کہ اے ابراہیم اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرو۔ اور یہ اضافہ اہل کتاب کی تحریف اور کذب کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ اضافہ تورات کے اس قول ''بکرك و وحیدك'' کے متناقض ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے اپنا پہلا بیٹا۔ تو بالاتفاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہود نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد پر اس شرف میں حسد کیا اور انہوں نے اپنی کتاب میں تحریف کردی۔ اس کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں۔ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا (وبشرناہ باسحاق نبیا من الصالحین) یعنی اللہ عزوجل نے جو حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا تھا اس پر صبر کرنے کے شکر میں یہ اللہ عزوجل کی طرف سے آپ کو بشارت تھی۔ اور یہ ظاہر ہے جس کی آپ کو بشارت دی گئی وہ پہلا بیٹا نہیں بلکہ یہ نص کی مثل ہے کہ پہلا بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اور اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔'' اس میں شک نہیں کہ ذبح مکہ میں ہوا تھا۔ اس لیے قربانی کے دن اسی جگہ قربانیاں کی جاتی ہیں جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے لیے اللہ عزوجل کے حضور پیش کیا تھا۔

لہٰذا ابن قیم کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود کو یہ علم تھا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں لیکن انہوں نے اولاد اسماعیل کے شرف پر حسد کرتے ہوئے اپنی کتاب میں تحریف کی۔ اسی لیے علماء کرام نے کہا اگر صحیح، مرفوع حدیث بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر مل جائے تو قابل اعتبار و اعتماد نہیں کیونکہ یہود کی تحریف کی آمیزش کا امکان موجود ہے۔ اس لیے علماء کرام نے فرمایا دلائل جانبین سے موجود ہیں

لیکن دلائل کی قوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قول پر ہے۔ معلوم ہوا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور جو حضرات علماء صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والے علماء اس طرف گئے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں ان کا یہ قول درست، قوی اور صحیح ہے امت مسلمہ کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ (واللہ و رسولہ اعلم)

صاحب تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

قال مقاتل لما قدم الارض المقدسة سال ربه الولد "فبشرناه بغلام حليم" يعني اسماعيل عليه السلام وهو الصحيح الخ

(تفسیر مظہری ج8 ص126)

مقاتل نے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ارض مقدسہ شام آئے تو اپنے ربّ سے بیٹے کا سوال کیا۔ "اللہ عزوجل کا فرمان ہے" کہ ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اور یہی صحیح ہے۔ اور اسی طرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔ اور سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاھد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی اور کلبی رحم اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے۔ عطاء بن رباح اور یوسف بن ماھک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کی انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ واقدی، ابن عساکر نے عامر بن سعید کے طریق سے انہوں نے اپنے باپ سعید سے یہ حدیث تخریج کی۔ کہ سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔ کافی عرصہ آپ کے پاس رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی اولاد نہ ملی۔ جب سارہ نے یہ دیکھا تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک قبطیہ لونڈی ہاجرہ ہبہ کردی تو ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام متولد ہوئے۔ اس سے سارہ کو حسد لاحق ہوا تو اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل اور ہاجرہ کو مکہ مکرمہ لے آئے اس وقت حضرت ہاجرہ اپنے فرزند ارجمند کو دودھ پلاتی تھیں۔ "اور یہ قصہ بہت مشہور ہے۔"

یہود و نصاریٰ نے کہا اللہ عزوجل نے جس بچے کے ذبح کرنے کا حکم دیا وہ بچہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہ ان سے جھوٹ ہے۔ بغوی نے کہا محمد بن کعب قرظی نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے علماء یہود میں سے ایک شخص سے دریافت کیا (وہ شخص مسلمان تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کونسا بیٹا تھا جس کے متعلق اللہ عزوجل نے ذبح کا حکم دیا۔ اس شخص نے عرض کیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ پھر اس شخص نے کہا اے امیر المومنین! یہود کو اس کا علم ہے۔ لیکن اے اہل عرب! تم پر اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ تمہارا باپ وہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور وہ گمان کرنے لگے کہ وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ دنبہ کے دونوں سینگ جو کعبہ میں معلق تھے۔ امام بغوی نے کہا شعبی نے کہا میں نے وہ دونوں سینگ کعبہ شریف کے ساتھ معلق دیکھے ہیں۔ اصمعی نے کہا میں نے ابوعمرو بن علاء سے ذبیح کے متعلق دریافت کیا۔ کیا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا حضرت اسحاق علیہ السلام تو ابوعمرو بن علاء نے کہا اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں گئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کب مکہ مکرمہ میں تھے مکہ معظمہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جنہوں نے اپنے باپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی امام بغوی نے کہا دونوں قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

قاضی ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ امام بغوی کا یہ قول اس سے کفایہ ہے کہ اس باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں۔ جب ان دونوں میں سے ایک قول صحیح نہیں تو دوسرے قول پر کس طرح غور ہو سکتا ہے اور خود امام بغوی نے کہا کہ صحابہ کرام میں سے حضرت عمر، علی المرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین میں سے کعب الاحبار، سعید بن جبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ، عطاء مقاتل، زھری، سدی اس طرف گئے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ عکرمہ اور سعید بن جبیر نے حضرت عبداللہ بن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے مامور ہونے پر یہ دلیل ہے۔ کہ شام کی طرف ہجرت کرنے کے بعد بالا جماع حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے تھے۔ اللہ عزوجل نے اپنے فرمان (وقال انی ذاهب الٰی ربی سیهدین) پر حرف فا کے ساتھ اپنے اس فرمان (فبشر ناہ بغلام حلیم) کو معطوف کیا ہے۔ جو اتصال کے لیے موضوع ہے۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام اس کے بعد متولد ہوئے۔ اور جس کے ذبح کا حکم دیا گیا ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری سنائی گئی۔

(دوم) اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت اس غلام یعنی حضرت اسماعیل کی بشارت پر معطوف ہے اور وہ اس کا غیر ہے۔ اور یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ وہ غیر ہیں معلوم ہوا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت آپ سے بعد دی گئی۔ اور دوسری بشارت سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں لہٰذا حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ثابت ہوئے۔ اور بالا جماع جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ پہلا ہی بیٹا تھا۔

یہ نہ کہا جائے کہ اس کے بعد جو معطوفہ بشارت ہے یہ صرف حضرت اسحاق علیہ السلام کے نبی ہونے کی بشارت ہے آپ کی ولادت کی بشارت نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی دو دفعہ بشارت دی گئی ہے ایک دفعہ ان کی ولادت کی اور دوسری دفعہ ان کی نبوت کی۔ قاضی ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیۃ مقدسہ کے ظاہر کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ''وبشرناہ باسحق نبیا من الصالحین'' یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی اس حال میں بشارت دی کہ ان کی نبوت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اللہ عزوجل نے اس طرح نہیں فرمایا ''وبشرناہ بنبوۃ اسحاق'' کہ ہم نے [illegible] کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی نبوت کی بشارت دی۔ اور بلا ضرورت ظاہر سے اعراض [illegible]

جائز نہیں۔

(سوم) جب حضرت سارہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئیں تو اس کے ساتھ یہ بھی بشارت دی گئی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام متولد ہوں گے اللہ عزوجل نے فرمایا (فبشرنا ها باسحق ومن وراء اسحق یعقوب) تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت کے قبل درانحالیکہ حضرت اسحاق علیہ السلام بالغ ہونے کے قریب ہوں اللہ عزوجل کا امر ذبح متصور ہو ہی نہیں سکتا۔ معلوم ہوا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "القول الفصیح فی تعیین الذبیح" کے کچھ حصہ کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس رسالہ کا ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس رسالہ سے جو تحریر فرمایا اس میں نہایت ابہام ہے ان شاء اللہ اصل رسالہ کے ترجمہ سے وہ ابہام دور ہو جائے گا۔ (الحاوی للفتاوی ج اوّل ص 318)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میرے پاس سید اسحاق اور سید اسماعیل کے متعلق ایک فتویٰ آیا کہ ان دونوں میں سے ذبیح کون ہیں اور جو ان دونوں کے خلاف وارد ہے اس میں اصح اور راجح کیا ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد دیگر علماء کرام کے درمیان ذبیح میں اختلاف معروف و مشہور ہے۔ اور دو قولوں میں سے ہر ایک قول کے دلائل ہیں۔

یہ قول کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پس یہ قول حضرت علی المرتضیٰ، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، ابوطفیل، سعید بن جبیر، مجاھد، شعبی، یوسف بن مہران، حسن بصری، محمد بن کعب قرظی، سعید بن مسیّب، ابوجعفر باقر، ابوصالح، ربیع بن انس، کلبی، ابوعمرو بن علاء اور احمد بن حنبل اور دیگر علمائے کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہی قول مروی ہے اور اس قول کو

ایک جماعت نے ترجیح دی ہے خصوصاً اکثر محدثین کرام رحمہم اللہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ابو حاتم نے کہا صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ بیضاوی نے کہا یہ قول اظہر ہے۔ ابن قیم کی ھدی میں ہے کہ علماء صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے نزدیک یہی قول درست اور باصواب ہے۔ ابن قیم نے کہا یہ قول کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں یہ قول بیس 20 سے زائد وجوہ کے مطابق مردود و باطل ہے۔

حاکم نے مستدرک میں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں، اُموی نے اپنی مغازی میں، اور خلعی نے اپنی فوائد میں، اسماعیل بن ابی کریمہ کے طریق سے عمر بن ابی محمد خطامی سے انہوں نے عتبی سے انہوں نے اپنے باپ سے۔ انہوں نے عبداللہ بن سعد صنابحی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھے۔ تو لوگوں نے حضرت اسماعیل اور اسحاق' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کے متعلق باہم گفتگو کی کہ ان میں سے کون ذبیح ہے۔ بعض لوگوں نے کہا حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں اور بعض لوگوں نے کہا حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم حقیقت کار کے جاننے والے کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور تھے کہ آپ کے پاس اعرابی آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے پیچھے گھاس خشک اور زمین خشک چھوڑ کر آیا ہوں اہل و عیال ہلاک ہوگیا اور مال ضائع ہوگیا جو اللہ عزوجل نے آپ کو مال فئی عطا فرمایا ہے اس میں سے مجھ پر بھی تھوڑا سا احسان فرماؤ۔ اے دو ذبیحوں کے بیٹے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور اس کا انکار نہیں فرمایا۔ تو لوگوں نے عرض کیا اے امیر المومنین وہ دونوں ذبیح کون ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب عبدالمطلب کو چاہ زمزم کھودنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اللہ عزوجل کے لیے نذر مانی اگر اللہ عزوجل نے امر چاہ زمزم کو سہل اور آسان کردیا تو وہ کوئی بیٹا ذبح کرے گا۔ جب عبدالمطلب چاہ زمزم کے کھودنے سے

فارغ ہوئے تو اپنے دس بیٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ والد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نکل آیا۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کو ذبح کرنا چاہا تو ان کے ماموں جو بنو مخزوم سے تھے عبدالمطلب کو اس سے منع کر دیا۔ انہوں نے کہا اے عبدالمطلب اپنے ربّ کو راضی کرو اور اپنے بیٹے کے عوض سو اونٹ قربانی کرو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد دو ذبیحوں میں سے ایک ہے۔ اور دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں وہ ہیں جن کا حال معلوم نہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی سند میں حماد بن مسلمہ کے طریق سے ابی عاصم غنوی سے انہوں نے ابوطفیل سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک کا حکم دیا گیا تو مقام سعی کے نزدیک شیطان آپ کے سامنے آ گیا۔ اس نے آپ سے سبقت کی کوشش کی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے سبقت لے گئے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جمرہ عقبہ کی طرف لے گئے۔ پھر آپ کے سامنے شیطان آ گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو سات کنکریاں ماریں وہ بھاگ گیا۔ پھر وہ شیطان جمرہ وسطیٰ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آ گیا۔ تو آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ماتھے کے بل لٹایا دراں حالیکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر سفید رنگ کی قمیض تھی۔ تو بیٹے نے باپ سے کہا اے میرے ابا جان اس کے سوا میرے پاس اور کوئی کپڑا نہیں جس سے تم مجھے کفن پہناؤ گے۔ آپ اس قمیض کو اتار لو حتیٰ کہ آپ مجھے اس میں کفن دیں گے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی پھاڑا تا کہ وہ اس قمیض کو اتاریں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے سے ندا آئی (ان یا ابراھیم قد صدقت الرویا) اے ابراہیم علیہ السلام تم نے خواب کو سچ کر دکھایا (الحدیث بطولہ فی المناسک) پھر اس حدیث کو امام احمد نے حماد بن

مسلمہ کے طریق سے عطاء بن سائب سے انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس حدیث کو ذکر کیا مگر اس میں یہ کہا کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ ابن کثیر نے کہا اوّل حدیث بہت صحیح ہے کیونکہ مناسک کے امور صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے سفیان سے انہوں نے منصور سے انہوں نے اپنے ماموں مسافع سے اور انہوں نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا مجھے بنی سلیم کی ایک عورت نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ کی طرف پیغام بھیجا۔ اور ایک دفعہ انہوں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بلایا تھا۔ حضرت عثمان بن طلحہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں بیت اللہ شریف میں داخل ہوا تو دنبے کے دو سینگ میں نے دیکھے۔ میں بھول گیا کہ تجھے اس کے چھپانے کا حکم دوں۔ اے عثمان! ان کو ڈھانپ دو۔ کیونکہ بیت اللہ شریف میں ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نماز پڑھنے والوں کو مشغول کر دے۔ ابن کثیر نے کہا یہ مستقل دلیل اس پر ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اس لیے کہ قریش نسل در نسل وہ دنبہ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض قربان کیا گیا تھا اس کے سینگوں کے وارث آ رہے ہیں۔ امام شعبی نے کہا میں نے وہ دونوں سینگ بیت اللہ شریف میں دیکھے ہیں۔

ابن جریر نے کہا ہم سے یونس سے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابن وھب نے خبر دی کہ عمرو بن قیس نے عطاء بن ابی رباح سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہود نے گمان کیا کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور یہود نے جھوٹ بولا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا محمد بن کعب قرظی نے ذکر کیا کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک آدمی کی طرف پیغام بھیجا اور وہ یہودی تھا اور پھر پکا مسلمان ہو گیا اور وہ یہود کے علماء میں سے تھا

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے دریافت کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے کے متعلق ذبح کا حکم دیا گیا۔ اس شخص نے کہا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق۔ اے امیر المومنین بخدا یہودیوں کو اس کا علم ہے۔ لیکن وہ عرب لوگوں کا حسد کرتے ہیں۔ ابن کثیر نے کہا تورات میں نص ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی 86 سال تھی۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے 99 سال تھی۔ اور ان کے نزدیک اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے پہلے بیٹے کو ذبح کرے اور ایک نسخہ میں ''وحیدہ'' کی جگہ ''بکرہ'' ہے۔ اس سے مراد بھی اپنا پہلا بیٹا ہے۔ اس جگہ یہودیوں نے کذب کو داخل کیا اور حسد کرتے ہوئے اسحاق علیہ السلام کو لکھ دیا اور ''وحیدک'' کی تحریف کی کہ تیرے پاس سوا اسحاق کے دوسرا نہ تھا۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں تھے۔ ابن کثیر کہتے ہیں یہ تحریف اور تاویل باطل ہے۔ اس لیے کہ وحید اسے کہا جاتا ہے جس کا اس کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ اور اسی طرح اگر ایک بیٹے کے بعد کوئی اولاد اور نہ ہو تو اسے ''معزہ'' کہا جاتا ہے۔ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ابتلاء و آزمائش میں مبالغہ ہے۔ اور اس لیے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں کہ اس کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا (وبشرناہ باسحق) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو ذبح کے لیے مامور تھا وہ اس کا غیر تھا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ (فبشرناہُ باسحاق ومن وراء اسحق یعقوب) یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں بچہ پیدا ہوگا جس کا نام یعقوب ہے یہ بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح میں مانع ہے۔ ابن کثیر نے کہا جس نے یہ کہا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اس نے بلا دلیل اہل کتاب سے لیا ہے۔ اور اس کے متعلق نہ کتاب میں ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ ابن کثیر نے کہا اگر اس کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہوا گر وہ ثابت ہو تو ہم کہیں گے کہ ہمارے سر ماتھے پر۔ یعنی ہم اس کو بسر وچشم

قبول کریں گے۔ اور وہ جو ابن جریر نے ابی کریب سے انہوں نے زید بن حباب سے انہوں نے حسن بن دینار سے انہوں نے علی بن زید بن جدعان سے انہوں نے حسن سے انہوں نے احنف بن قیس سے انہوں نے عباس بن عبدالمطلب سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں حسن بن دینار متروک ہے اور اس کا شیخ منکر الحدیث ہے اور اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے انہوں نے مسلم بن ابراہیم سے انہوں نے حماد بن مسلمہ سے انہوں نے علی بن زید سے اس سند کے ساتھ موضوعاً روایت کیا۔ پھر اس حدیث کو مبارک بن فضالہ سے انہوں نے حسن سے انہوں نے احنف سے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اس رسالہ کے آخر میں فرماتے ہیں۔

کنت ملت الیه فی علم التفسیر وانا الان متوقف فی ذالك .

والله سبحانه و تعالیٰ اعلم

میں علم تفسیر میں اس کی طرف رجحان رکھتا تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اور اب میں اس میں متوقف ہوں۔

معلوم ہوا علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے سے رجوع کرلیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باوجود اس کے کہ علامہ سیوطی نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق مرفوع احادیث نقل فرمائیں اس مذہب سے رجوع کریں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق جملہ روایات' یہود و نصاریٰ کی طرف سے ہیں۔ اور ان میں اختلاط و تلبیس کی آمیزش ہے اور جو روایات حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان میں یہود و نصاریٰ کا کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اختلاط و تلبیس سے محفوظ ہیں اس لیے اکثر علماء کرام نے باوجود صحیح، مرفوع حدیث ہونے کے

اس کو قابل اعتماد نہیں سمجھا۔ معلوم ہوا دلائل تو جانبین سے موجود ہیں لیکن علماء کرام کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے دلائل میں قوت ہے لہٰذا علماء کرام نے اس کو قبول کیا ہے۔

صاحب تفسیر طبری لکھتے ہیں: (الاربعین فی اثبات الذبیح هو اسماعیل)

وقال آخرون الذی فدی بالذبح العظیم من ابنی ابراهیم اسماعیل ذکر من قال ذالك تفسیر طبری (ج23 ص53)

اور دوسرے علماء صحابہ و تابعین نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے جس کو قربانی کے لیے پیش کیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جنہوں نے یہ کہا ان کی دلیل یہ ہے۔

(1) شعبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' کے متعلق روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

(2) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(3) یوسف بن مہران نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(4) داؤد نے شعبی سے روایت کی انہوں نے کہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(5) ابن علیہ نے کہا داود بن ابی ھند سے دریافت کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کونسا بیٹا تھا جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے گمان کیا کہ شعبی نے کہا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

(6) شعبہ نے بیان سے انہوں شعبی سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے "وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" کے متعلق فرمایا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(7) لیث نے مجاھد سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے "وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" کے متعلق روایت کی انہوں نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

(8) عطاء بن ابی رباح نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا جن کے عوض دنبہ ذبح کیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یہودیوں کا گمان ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور یہودیوں نے یہ جھوٹ بولا ہے۔

(9) ابی عاصم غنوی نے ابوطفیل سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ جس کے عوض اللہ عزوجل نے قربانی دی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(10) داؤد نے عامر سے روایت کی انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(11) داؤد نے عامر سے روایت کی انہوں نے اس آیۃ مقدسہ "وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" کے متعلق کہا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور دنبے کے دونوں سینگ کعبہ مکرمہ کے ساتھ معلق تھے۔

(12) اسرائیل نے جابر سے انہوں نے شعبی سے روایت کی انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(13) ابن یمان نے مبارک بن فضالہ سے انہوں نے علی بن زید بن جوعان سے

انہوں نے یوسف بن مہران سے روایت کی انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(14) سفیان نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاھد سے روایت کی انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(15) ھشیم نے کہا ہم سے عوف نے حضرت حسن بصری سے بیان کیا ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' میں ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(16) ابن اسحاق سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے محمد بن کعب قرظی کو کہتے ہوئے سنا جس کا ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اور ہم اللہ عزوجل کی کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس میں پاتے ہیں کہ اپنے بیٹے کے ذبح کا جو حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ جب اللہ عزوجل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے قصہ مذبوح سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد فرمایا ''وبشرناه باسحق نبیًا من الصالحین'' فرمایا بشرناه باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب'' اور مناسب ولائق نہیں تھا کہ اللہ عزوجل حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم فرماتے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام اللہ عزوجل کی طرف سے' جوان سے وعدہ فرمایا' موعود تھے۔ اور جس کے ذبح کا حکم دیا گیا۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

۱۷- عمرو بن عبید نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

۱۸- ابن حمید نے کہا ہم سے مسلم نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ محمد بن اسحاق نے کہا میں نے محمد بن کعب قرظی کو یہ کہتے ہوئے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں'

بکثرت سنا ہے۔

۱۹- ابن جریج نے ابن نجیم سے انہوں نے مجاہد سے روایت کی کہ انہوں نے ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ'' کے متعلق فرمایا۔ وہ دنبہ ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض ذبح کیا گیا۔

۲۰- اسرائیل نے جابر سے انہوں نے شعبی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا میں نے کعبہ مکرمہ میں دونوں سینگوں کو معلق دیکھا ہے اور یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کی قوی دلیل ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر درمنثور میں اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

(ج سوم جز ۵ ص ۲۸۰)

۲۱- امام احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا۔ انہوں نے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج کا حکم دیا گیا تو مقام سعی کے پاس شیطان آپ کے سامنے آیا۔ اس نے آپ سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے سبقت لے گئے پھر حضرت جبرائیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے۔ وہاں شیطان آپ کے سامنے آیا۔ آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں۔ حتیٰ کہ وہ بھاگ گیا۔ پھر جمرہ وسطی کے پاس آپ کے سامنے آ گیا۔ تو آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریاں۔ پھر آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جبین کے بل لٹایا۔ دراں حالیکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر سفید رنگ کی قمیض رکھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے ابا جان! میرے پاس کوئی اور کپڑا نہیں جس میں آپ مجھے کفن دیں گے۔ میری قمیض اتار لیں حتیٰ کہ آپ اس میں مجھے کفن دیں گے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام قمیض اتارنے لگے تو پیچھے سے ندا آئی۔ اے ابراہیم! تم نے خواب کو

سچ کر دکھایا ہے۔ آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سیاہ کالے رنگ اور سینگوں والا ایک دنبہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح کیا۔

۲۲- ابن جریر اور حاکم نے عطاء بن ابی رباح کے طریق سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہودیوں کا گمان ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہودیوں نے جھوٹ بولا۔

۲۳- فریابی، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن منذر، حاکم اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ شعبی کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۲۴- سعید بن منصور، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے مجاہد اور یوسف بن مالک کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۲۵- عبد بن حمید، ابن جریر نے یوسف بن مھران اور ابوطفیل کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۲۶- عبد بن حمید نے سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر سے روایت کی کہ ان دونوں نے کہا جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۲۷- ابن جریر نے شعبی اور مجاہد اور حسن بصری اور یوسف بن مھران اور محمد بن کعب قرظی سے اس طرح روایت کیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۲۸- عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس فرمان ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ '' کے متعلق تخریج کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت اسماعیل

علیہ السلام ہیں جن کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنبہ ذبح فرمایا۔

۲۹- ابن جریر، آمدی نے اپنی مغازی میں، خلعی نے اپنی فوائد میں، حاکم ابن مردویہ نے سند ضعیف کے ساتھ عبداللہ بن سعید صنابحی سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھے۔ تو لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں حضرت اسماعیل و اسحاق علیہم السلام میں سے کون ذبیح ہے کے متعلق مذاکرہ شروع کروایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اس کے متعلق خبر رکھنے والے کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ جب ایک اعرابی آیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے پیچھے گھاس اور پانی خشک چھوڑ کر آیا ہوں۔ مال و عیال تباہ و برباد ہوگئے۔ اے دو ذبیحوں کے بیٹے! جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال عطا فرمایا ہے اس سے مجھ پر بھی خرچ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور اس سے انکار نہیں فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین! وہ دو ذبیح کون ہیں؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو اللہ عزوجل کے حضور نذر مانی کہ اگر اس کا کھودنا اللہ عزوجل نے سہل اور آسان فرمادیا تو وہ اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹا قربان کرے گا۔ جب عبدالمطلب چاہ زمزم کے کھودنے سے فارغ ہوئے تو اپنے دس بیٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی اور قرعہ کا تیر حضرت عبداللہ کے نام نکل آیا۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو بنی مخزوم سے اس کے ماموں نے عبدالمطلب کو ایسا کرنے سے منع کردیا۔ انہوں نے کہا اے عبدالمطلب! اپنے رب کو راضی کرو اور اپنے بیٹے کے عوض سو اونٹ ذبح کرو۔ وہ پہلے ذبیح ہیں اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۳۰- عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم رحمہ اللہ محمد بن کعب قرظی سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا

اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور ہم اللہ عزوجل کے کلام میں اس کو پاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب اللہ عزوجل قصہ مذبوح سے فارغ ہوئے تو فرمایاوبشرناہ باسحق ۔ پھر فرمایافبشرناھا باسحاق من ورآء اسحاق یعقوب یعنی بیٹے کی اور بیٹے کے ہاں بیٹے کی بشارت دی اور لائق ومناسب نہیں کہ اللہ عزوجل حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا فرماتا۔ اس لئے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام میں جو اللہ عزوجل نے ان سے وعدہ فرمایا' موعود تھا۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کا پیدا ہونا ہے اور جس کے متعلق اللہ عزوجل کے ذبح کا حکم فرمایا وہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۳۱- حاکم نے اس سند کے ساتھ جس میں واقدی ہیں عطاء ابن یسار سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا میں نے فوات بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ذبیح اللہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام جب سات سال کے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک شام میں اپنے گھر خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل کو ذبح کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل کے پاس آئے اور ان کو اپنی والدہ کے پاس پایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور ان کو لے گئے۔ آخر حدیث تک یعنی فوات بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۳۲- حاکم نے اس سند کے ساتھ جس میں واقدی ہیں۔ عطاء بن یسار کے طریق سے تخریج کیا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام یہود کے نہایت عظیم علماء میں سے شمار کئے جاتے تھے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام پہلی کتابوں کے عالم تھے۔ان کی یہ

شہادت کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں بہت قوی دلیل ہے۔

۳۳-عبد بن حمید، ابن جریر نے مجاہد اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۳۴-عبد ابن حمید نے فرزدق شاعر کے طریق سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ فرماتے تھے جس کا اللہ عزوجل نے ذبح کا حکم دیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۳۵- ابن اسحاق اور ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی آدمی کی طرف پیغام بھیجا اور وہ بہت اچھی طرح اسلام لا چکا تھا۔ یہودیوں کے علماء میں شمار کیا جاتا تھا۔ آپ نے اس شخص سے دریافت کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کون سا بیٹا تھا جس کو ذبح کا حکم دیا گیا۔ اس شخص نے کہا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اے امیر المومنین بخدا یہود کو اس کا علم ہے لیکن وہ تم عرب لوگوں پر حسد کرتے ہیں۔

۳۶- سعید بن منصور، امام احمد اور بیہقی نے اپنی سنن میں بنی سلیم کی ایک عورت سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ عورت کہتی ہے میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بلایا تھا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں کعبہ شریف میں داخل ہوا تو میں نے دنبے کے دو سینگ دیکھے اور میں تجھے یہ حکم دینا بھول گیا کہ ان کو ڈھانپ دو لہٰذا اے عثمان ان کو ڈھانپ دو کیونکہ بیت اللہ شریف میں ایسی کوئی چیز لائق و مناسب نہیں جو نماز پڑھنے والوں کو مشغول کر دے۔ ادو یہ قوی دلیل

ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ نسل درنسل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے قبضہ میں بطور ورثہ آ رہے ہیں۔

۳۷- عبد بن حمید نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا۔ انہوں نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض دو دنبے سفید وسیاہ رنگ اور سینگوں والے ذبح کئے۔

۳۸- ابن ابی حاتم نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دنبہ کا نام جو انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض ذبح کیا ''حریر'' تھا۔

۳۹- عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے عرض کیا۔ میں نے اپنی جان کی قربانی کی نذر مانی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی ہی بہتر ہے۔ پھر آپ نے آیت مقدسہ تلاوت فرمائی۔ ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حکم دیا کہ وہ ایک دنبہ ذبح کرے۔

۴۰- طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا۔ انہوں نے فرمایا جس شخص نے اپنی جان ذبح کرنے کی نذر مانی ہو اسے چاہئے کہ ایک دنبہ ذبح کرے پھر آپ نے یہ آیۃ مقدسہ تلاوت فرمائی۔ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' یعنی تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی ہی بہتر ہے۔'' میں نے چالیس احادیث مبارکہ جن میں بالتصریح مذکور ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ نقل کی ہیں۔ جب آپ ان احادیث کے رواۃ کو علمائے نقد کے ترازو میں رکھیں گے تو انشاء اللہ العزیز ان

احادیث مبارکہ کی قوت آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ بہ نسبت ان احادیث کے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے میں درج ہوئی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے دلائل میں قوت ہے اس لئے اکثر علماء وکرام نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

صاحب تفسیر کشاف علامہ محمود بن عمر زمخشری لکھتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وھو الکبش الذی قربہ ھابیل فقبل منہ وکان یرعی فی الجنۃ حتی فدی بہ اسماعیل۔ الخ (تفسیر کشاف ج۴ص۵۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ دنبہ وہ تھا جس کو ہابیل نے بطور قربت پیش کیا تھا اور اس سے یہ قبول کرلیا گیا تھا۔ یہ دنبہ جنت میں چرتا رہا ہے حتیٰ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض اس کو ذبح کیا گیا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدل ایک پہاڑی بکرا ذبح کیا گیا جو جبل ثبیر سے آپ کے پاس اتارا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر یہ ذبیحہ پورا ہوتا تو یہ سنت بن جاتا اور لوگ اپنے بیٹوں کو ذبح کرتے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کون ذبیح تھا۔ کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری نے وہی دلائل پیش کئے ہیں جو اس سے قبل مذکور ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور دلیل پیش کی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے انہوں نے کہا بنی اسرائیل کا ایک مجتہد تھا۔ جب وہ دعا کرتا تو کہتا۔ ''اللھم الہ ابراھیم واسماعیل واسرائیل'' اے ابراہیم واسماعیل اور اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے معبود حقیقی حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب بنی اسرائیل کے مجتہد کیلئے کیا ہے۔ جب وہ دعا کرتا ہے تو کہتا ہے "اللھم الله ابراھیم واسماعیل واسرائیل" دراں حالیکہ میں ان میں موجود ہوں اور مجھے تو نے اپنا کلام سنایا ہے اور مجھے رسالت کیلئے تو نے منتخب فرمایا ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا جتنی حضرت ابراہیم علیہ السلام میرے ساتھ محبت کرتے کوئی میرے ساتھ اتنی محبت نہیں کرتا۔ انہیں میرے اور کسی چیز کے درمیان اختیار دیا گیا تو انہوں نے میری ذات کو اختیار فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو انہوں نے اپنی جان قربان کرنے کیلئے میرے حضور پیش کردی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جب بھی ان پر شدت سختی آئی وہ میری رحمت سے مایوس نہیں ہوئے۔

اس حدیث پر غور فرمائیں کہ اللہ عزوجل اعلان فرما رہے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے میرے حضور اپنی جان کو نذرانہ کے لئے پیش کر دیا تھا۔ اللہ عزوجل کے اس فرمان سے واضح ہوگیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

☆ صاحب تفسیر مدارک التنزیل ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"والأظهران الذبيح اسماعيل عليه السلام۔" الخ

(مدارک علی الخازن ج۴ص۲۵)

اور اظہر یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور یہ قول ابوبکر، ابن عباس، ابن عمر اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "وانا ابن الذبيحين" میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ایک حضرت عبداللہ اور دوسرے اسماعیل علیہ السلام۔

☆ صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں۔

واحتج من ذهب الى ان الذبيح هو اسماعيل بان الله تعالٰى ذكر البشارة باسحاق بعد الفراغ من قصة الذبيح۔ الخ (تفسیر خازن ج۴ص۲۳)

جو علماء کرام اس طرف گئے ہیں کہ ذبیح وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے یہ دلیل اخذ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصہ ذبیح سے فراغت کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر فرمایا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ''وبشرناہ باسحق '' یہ اس بات پر دلالت ہے کہ مذبوح ان کا غیر ہے۔ اس طرح سورہ ھود میں اللہ عزوجل نے فرمایا ''فبشرنا ھا باسحاق ومن ورآء اسحاق یعقوب '' اللہ عزوجل کیسے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا فرماتے دراں حالیکہ ان کو اللہ عزوجل نے حضرت یعقوب کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر کے ساتھ وصف بیان فرمایا' سوائے حضرت اسحاق علیہ السلام کے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صدق وعدہ کے ساتھ وصف بیان فرمایا کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے ذبح پر اپنے باپ سے صبر کا وعدہ کیا تھا۔ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پورا کیا۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کے کلام کا ظاہر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

☆ صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں:

وقال آخرون وھو اسماعیل۔ الخ (تفسیر قرطبی جز ۱۵ص ۶۷)

دوسرے علماء کرام نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے یہ کہا وہ یہ ہیں: حضرت ابو ہریرہ' ابوطفیل عامر بن واثلہ اور حضرت عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے۔ اور تابعین میں سے سفید بن میتب' شعبی' یوسف بن مھران' مجاہد' ربیع بن اُنس' محمد بن کعب قرظی' کلبی اور علقمہ رضی اللہ عنہم۔

ان سب علماء کرام' صحابہ عظام اور تابعین کے نزدیک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور صاحب تفسیر قرطبی نے بھی وہی دلائل پیش کئے جو اکثر ائمہ مفسرین نے نقل کئے اور صاحب قرطبی کا رجحان حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف ہے اس لئے انہوں نے حضرت سعید بن جبیر کے ایک اثر کے ماتحت ارقام فرمایا کہ یہ قول نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین عظام سے نقل میں اُقویٰ ہے۔ لیکن اس کے برعکس اکثر علماء کرام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قائلین کے قول کو راجح اور اُظہر' قوی اور صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح کے قائلین اس قول کو مرفوعاً ثابت کرتے ہیں پھر بھی وہ اس پر ائمہ اہل بیت کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور کچھ حضرات علمائے کرام نے تو اس معاملہ میں توقف اختیار کیا جب کہ صاحبِ تفسیر قرطبی نے لکھا ہے زجاج نے کہا اللہ عزوجل ہی بہتر جاننے والا ہے کہ اُن دونوں میں سے کون ذبیح ہیں اور یہ تیسرا مذہب ہے۔ بہر حال علماء کرام کے نزدیک قول اسماعیل علیہ السلام کے دلائل میں قوت نظر آتی ہے اور یہ قول قرآن معظم کے ظاہر کے بھی مطابق وموافق ہے۔

☆ صاحب تفسیر جمل فرماتے ہیں:

وقال آخرون الذبیح اسماعیل وقال به من الصحابة الخ

(تفسیر جمل ج سوم ص ۵۴۸)

یعنی دوسرے علماء صحابہ وتابعین نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ صحابہ کرام میں سے یہ قول حضرت ابو ہریرہ، ابوطفیل عامر بن واثلہ وغیرھم اور تابعین سے سعید بن میتب وشعبی وغیرہم کا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق روایت ہے لیکن اول میں یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت زیادہ مذکور ہے۔ زجاج نے کہا اللہ عزوجل ہی بہتر جانتا ہے۔ ان دونوں میں ذبیح کون تھا اور یہ تیسرا مذہب ہے۔ یہ توقف ہے یعنی دونوں میں کسی ایک قول کو بالجزم بیان نہیں کیا اور اس کا علم اللہ عزوجل کے ہاں سپرد کر دیا کیونکہ یہ مسئلہ ان عقائد میں سے نہیں جن کی معرفت کے ہم مکلف بنائے گئے ہیں۔ اور نہ ہی قیامت کے دن اس کے متعلق ہم سے سوال کیا جائے گا اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کا علم نافع ہے اور جہل

بے ضرر۔ تو اس لئے تیسرا مذہب اس میں توقف کا قائل ہے۔

☆ علامہ ابوالیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بستان العارفین علیٰ تنبیہ الغافلین میں فرماتے ہیں۔

وقد اختلف الناس فی الولد الذی امر ابراھیم بذبحه قال بعضهم هو اسماعیل علیه السلام وقال بعضهم هو اسحاق علیه السلام۔ (تنبیہ الغافلین ص ۱۵۸)

فرماتے ہیں اس بیٹے میں جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت علی بن ابی طالب' ابوہریرہ، عبداللہ بن سلام، عکرمہ، مقاتل، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس، ابن عمر، مجاہد، محمد بن کعب قرظی اور کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہ قول کتاب وسنت کے بہت مشابہ ہے۔ کتاب اللہ عزوجل نے فرمایا۔ (وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ) پھر اس کے بعد فرمایا (وبشرناه باسحق) اور خبر جو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا (انا ابن الذبیحین) یعنی آپ کے دو باپ ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ اور دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اہل تورات نے کہا تورات میں یہ مکتوب ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اگر تورات میں یہ صحیح ہے تو ہمارا اس پر ایمان ہے۔ لیکن تورات میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ تورات '' وحیدہ وبکرہ '' کے الفاظ ہیں اور ان دونوں لفظوں کا معنی ہے پہلی اولاد تو بالاتفاق حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بیٹا ہیں لہٰذا ذبیح بھی وہی ہیں۔

درمختار میں ہے:

والمختار ان الذبیح اسماعیل وفی القاموس انه الاصح ۔ اس کے ماتحت علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔ حلیہ کے اول میں ہے کہ یہ دونوں قولوں میں سے اظہر قول ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور غالب محدثین نے اس کو ترجیح دی ہے۔ ابوحاتم نے کہا یہی قول صحیح ہے۔ صاحب بحر نے کہا' حنفیہ بھی اس قول کی طرف مائل ہیں اور امام ابواللیث سمرقندی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

(ردالمختار اول ص ۶۱۹، بحرالرائق جز دوم ص ۱۶۵)

☆ مولینا جلال الدین خوارزمی کرمانی الکفایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

قبل اخذالتکبیر من جبرائیل وابراهیم واسماعیل علیهم السلام فان ابراهیم علیه السلام لما أضجع اسماعیل للذبح ۔ الخ (فتح القدیر ج دوم ص ۴۹)

کہا گیا ہے کہ تکبیر (تشریق) حضرت جبرائیل اور ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام سے لی گئی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیلئے اٹھایا۔ اللہ عزوجل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسماعیل کا عوض لے کر جائے تو جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ والسلام کو ذبح کیلئے لٹا دیا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' تاکہ وہ ذبح میں جلدی نہ کریں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آواز سنی تو ان کے دل میں واقع ہوا کہ وہ کوئی بشارت لے کر آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تہلیل اور اللہ عزوجل کی وحدانیت کا ذکر کیا۔ ''لا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' اور جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان دونوں کا کلام سنا تو ان کے دل میں واقع ہوا کہ ان کی قربانی قبول ہوگئی۔ انہوں

نے اللہ تعالیٰ کا حمد وشکر کرتے ہوئے کہا ''اللہ اکبر وللہ الحمد'' ان تین بزرگوں کے باعث اسی وجہ پر اس کا ثبوت ہے لہٰذا یہ جائز نہیں کہ بعض تکبیر پڑھ لے اور بعض کو ترک کردے۔

اور اسی طرح محیط میں ہے

علامہ جلال الدین خوارزمی کی اس تصریح سے ثابت و محقق ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

☆ سید قطب نے ظلال القرآن میں ارقام فرمایا۔

وهنا كان ابراهيم واسماعيل قد اديا كان قد اسلما۔ الخ۔

(تفسیر ظلال القرآن ج ۵ ص ۲۹۹۶)

یعنی اس جگہ صرف حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے حق ادا کر دیا اور ان دونوں نے حکم خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ تکلیف و امر کو ثابت کر دیا تھا اور باقی صرف حضرت اسماعیل کا ذبح کرنا اور خون بہانا۔ اور ان کے روح زائل کرنا ہی رہ گیا تھا کہ اللہ عزوجل نے ان کی جان کے عوض ایک عظیم قربانی بھیج دی اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بدل بن گئی۔

اس عبارت کو بھی ذرا غور سے پڑھ کر دیکھو کہ وہاں معاملہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تھا۔ معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں جن کی جان کے عوض قربانی کا جانور ذبح کیا گیا۔

☆ تفسیر البحر المحیط میں ابن حیان نحوی لکھتے ہیں۔

وبشرنا باسحاق نبيا من الصالحين الظاهر ان البشارة غير تلك البشارة وان الغلام الحليم المبشر به ابراهيم هو اسماعيل وانه هو الذبيح لا اسحاق۔ (تفسیر البحر المحیط ج ۷ ص ۳۷۱)

یعنی اللہ عزوجل کے فرمان ''وبشرنا باسحق'' ظاہر ہے کہ یہ بشارت پہلی

بشارت کا غیر ہے اور وہ غلام جو حلیم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی بشارت دی گئی ہے۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور وہی ذبیح ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ اور یہ حضرت ابن عباس، ابن عمر، معاویہ بن ابی سفیان، محمد بن کعب قرظی، شعبی، حسن بصری، مجاہد اور تابعین میں سے ایک جماعت کا قول ہے۔ انہوں نے ان آیاتِ مقدسہ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''انا ابن الذبیحین ''اور اعرابی کے قول''یاابن الذبیحین ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سن کر تبسم فرمانا سے بھی استدلال کیا ہے۔ اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کے والد محترم عبداللہ ہیں۔ اس حدیث سے بھی جس میں اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس حدیث کو علامہ زمخشری نے بھی اپنی تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے۔ اور وحی یہ تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ کو اللہ کے حضور قربانی کیلئے پیش کر دیا۔ اقوی دلائل میں سے جس سے استدلال کیا جائے وہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھی بشارت دی۔ اگر ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہوتے تو یہ واقع کے غیر مطابق اخبار دنیا ہوتا۔ اللہ عزوجل کے اخبار میں یہ محال ہے لہٰذا یہ سب دلائل میں سے اقوی ترین دلیل ہے۔

معلوم ہوا کہ ابن حیان نحوی کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا اقوی دلیل سے ثابت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے دلائل میں قوت ہے اس لئے اکثرین نے اس قول کو راجح اور اقوی اور اصح سے تعبیر فرمایا ہے۔ آخر میں حافظ عمادالدین ابن کثیر کی تفسیر سے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں اور اسی نقل پر کتاب ''احکام قربانی'' اختتام پذیر ہو جائے

گی۔

☆ صاحب تفسیر کثیر حافظ عماد الدین ابن کثیر ارقام فرماتے ہیں۔

ذکر الاثار الواردة بانه اسماعیل علیه السلام وهو الصحیح المقطوع به (مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۸۷)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ان آثار کا ذکر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ یہی صحیح اور یقینی ہے۔ آثار تو آپ نے گزشتہ اوراق میں کئی دفعہ ملاحظہ فرمائے۔ یہاں صرف ایک دو چیزیں عرض کرنا مناسب ہے وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔

فرماتے ہیں ابن ابی حاتم نے کہا میں نے اپنے والد گرامی سے سنا صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت علی مرتضٰی، ابن عمر، ابو ہریرہ، ابو طفیل، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب قرظی، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

ابن جریر نے اس قول کو اختیار کرنے میں جو اعتماد کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ وہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔ **فبشرناه بغلام حلیم** ۔ کہ ابن جریر نے اس بشارت کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت پر محمول کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں جس کی طرف ابن جریر گئے ہیں وہ کوئی مذہب نہیں اور نہ ہی لازم ہے۔ بلکہ یہ بہت دور ہے اور وہ جو اس آیۃ کریمہ کے ساتھ محمد بن کعب قرظی نے استدلال کیا ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں وہ استدلال اثبت، اصح اور اقوی ہے۔

صرف حافظ ابن کثیر کی تفسیر سے یہ واضح کرنا مراد تھا کہ جو استدلال ابن جریر طبری نے قائم کیا ہے۔ وہ نہایت دور کا ہے اور نہ ہی یہ مذہب ہے اور نہ ہی یہ لازم ہے بلکہ اثبت واصح اور اقوی استدلال وہ ہے جو محمد بن کعب قرظی نے اخذ کیا ہے کہ ظاہر

نص سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام" واللہ ورسولہ اعلم"

والحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الکریم

وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ اجمعین برحمتک

یا ارحم الراحمین

بروز منگل ۱۵ فروری ۲۰۰۵ء بمطابق ۵ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

المصادر والمراجع

۱	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	دار الکتب العلمیہ تہران
۲	تفسیر مظہری	القاضی ثناء اللہ عثمانی حنفی مظہری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۳	تفسیر طبری	ابو جعفر محمد بن جریر طبری	دار المعرفہ بیروت لبنان
۴	تفسیر البحر المحیط	اثیر الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان	دار احیاء التراث عربی
۵	تفسیر قرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی	دار الکتب علمیہ بیروت
۶	تفسیر جمل	العلامہ شیخ جمل	قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی
۷	تفسیر درّ منثور	شیخ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	مکتبہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی قم ایران
۸	تفسیر روح المعانی	علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی	المکتبۃ الرشیدیہ لاہور
۹	تفسیر صاوی	احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی	مصطفیٰ البابی حلبی مصر
۱۰	تفسیر کشاف	علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری	دار الکتاب عربی بیروت لبنان
۱۱	تفسیر مدارک التنزیل	ابو البرکات عبد اللہ حافظ الدین نسفی بن احمد بن محمود حنفی	دار احیاء الکتب عربیہ بیروت
۱۲	تفسیر ظلال القرآن	سید قطب	
۱۳	تفسیر خازن	علاء الدین علی بن محمد ابراہیم بغدادی المعروف بالخازن	حافظ کتب خانہ کوئٹہ مطبوعہ میمنہ مصر
۱۴	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابن کثیر	دار القرآن الکریم بیروت
۱۵	تفسیر بیضاوی	ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی	مصر
۱۶	بخاری شریف	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری	دار الجیل بیروت

۱۷	فتح الباری	علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	دارالمعرفہ بیروت لبنان
۱۸	عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین ابن محمد محمود بن عیسٰی	مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
۱۹	مسلم شریف	ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری	اصح المطابع دہلی
۲۰	نووی شرح مسلم	شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نواوی	اصح المطابع دہلی
۲۱	ترمذی شریف	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذی	منشی نول کشور لکھنؤ
۲۲	ابن ماجہ شریف	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزدینی	عیسٰی المجلس
۲۳	ابوداؤد شریف	ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی	مرقمہ
۲۴	نسائی شریف	حافظ عبدالرحمٰن امد بن شعیب نسائی	مکتبہ سلفیہ لاہور
۲۵	مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صعانی	منشورات علمی سورت (ہند
۲۶	صحیح ابن حبان	حافظ محمد بن حبان بن احمد بن حبان	دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۷	طبرانی شریف	حافظ عبدالقاسم سلیمانی بن احمد طبرانی	ادارہ احیاء التراث عربی بیروت
۲۸	مسند الاخبار	حافظ شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی	مکتبہ اثر سانگلہ ہل
۲۹	معانی الآثار	ابی جعفر احمد بن محمد طحاوی	سعید اینڈ کمپنی کراچی
۳۰	سنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	نشرالسنہ ملتان
۳۱	الجوہر النقی	علاءالدین بن علی بن عثمان ماردینی المشہور بابن ترکمانی	نشرالسنہ ملتان
۳۲	مسند امام احمد	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل	ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ
۳۳	موطا امام مالک	مالک بن انس بن مالک	دارالفکر بیروت
۳۴	زرقانی علی الموطا	محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی	دارالفکر بیروت
۳۵	مرقات شرح مشکوٰۃ	علامہ علی بن سلطان محمد القاری	مکتبہ امدادیہ ملتان
۳۶	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعزیز بن عبدالقوی منذری	مکتبہ عصریہ بیروت
۳۷	نیل الاوطار	محمد بن علی بن محمد شوکانی	داراحیاء التراث عربی بیروت
۳۸	زرقانی علی المواہب	علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی	دارالمعرفہ

۳۹	سیرت حلبیہ	علی بن برہان الدین حلبی	دارالمعرفہ بیروت
۴۰	تحفۃ الاشراف	جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن زکی عبدالرحمٰن بن یوسف مزی	المکتب الاسلامی بیروت
۴۱	فتح القدیر	شیخ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد	مکتبہ رشیدہ کوئٹہ
۴۲	ردّالمحتار	علامہ محمد امین الشہیر بابن العابدین شامی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۴۳	بحرالرائق	زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم مصری	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۴۴	الکفایہ علی الہدایہ	علامہ جلال الدین خوارزمی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۴۵	مجمع الانہر	عبداللہ بن شیخ محمد بن سلیمانی المعروف برلماد آفندی	دارالاحیاء التراث عربی بیروت
۴۰	دارالمنتقی	محمد بن علی بن محمد علاء الدین حصکفی	دارالاحیاء التراث عربی بیروت
۴۷	فتاویٰ عالمگیری		مطبع مصطفائی دہلی
۴۸	فتاویٰ قاضیخان	فخرالدین حسن بن منصور مرغانی	مطبع العلوم ضیاء الدین
۴۹	فتاویٰ سراجیہ	علامہ سراج الدین اوشی	حافظ کتب خانہ کوئٹہ
۵۰	خلاصۃ الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری	فضل احمد تاجر کتب شہر پشاور
۵۱	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۵۲	جوہرہ نیرہ	ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی عبادی	مطبع مجتبائی دہلی
۵۳	شرح الیا ن	محمود بن الیاس رومی	نول کشور لکھنؤ
۵۴	شرح النقایہ	علامہ بن سلطان محمد قاری	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۵۵	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی قہستانی	مکتبہ اسلامیہ ایران
۵۶	زادالمعاد	ابن قیم	مطبعہ اشرفیہ سید حسین آفندی شرف
۵۷	البدایہ والنہایہ	حافظ عماد الدین ابن کثیر	مکتبہ القدوسیہ لاہور
۵۸	بدایۃ المجتہد	احمد بن رشید قرطبی اندلسی المشہور "بابن رشد الحفید" فاران اکیڈمی لاہور	

۵۹	بستان العارفین	شیخ نصر بن محمد بن ابراہیم ابواللیث ثمرقندی	داراحیاء الکتب عربیہ
٦۰	قاموس	مجدالدین محمد فیروز آبادی	نول کشور لکھنؤ
٦۱	لسان العرب	علامہ ابن منظور	داراحیاء التراث العربی بیروت
٦۲	شرح عقائد نسفی	سعدالملۃ والدین تفتازانی	انوار محمد لکھنؤ
٦۳	نظم الفرائد	مولانا محمد حسن سنبھلی	انوار محمد لکھنؤ

علماء، خطباء، واعظین، مقررین کیلئے بے مثال تحفہ

اسرارِ خطابت

8 مکمل جلدیں

پورے سال کے خطباتِ جمعہ سے بے نیاز کردینے والی کتاب

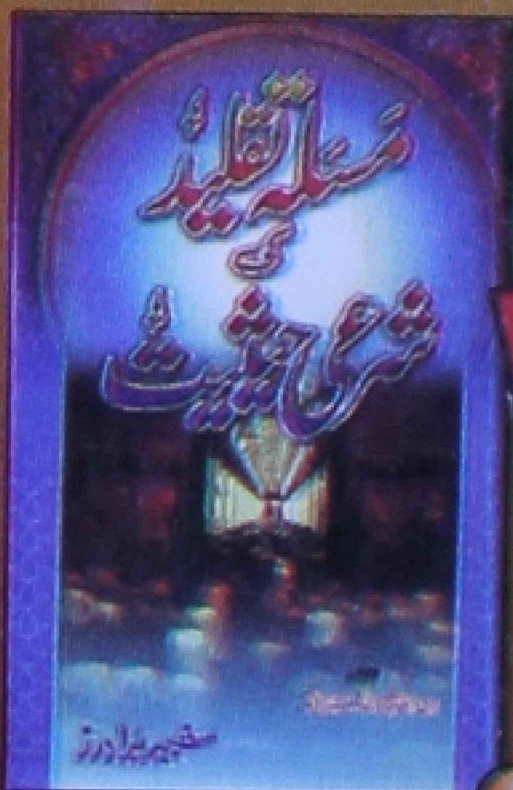
مصنّف

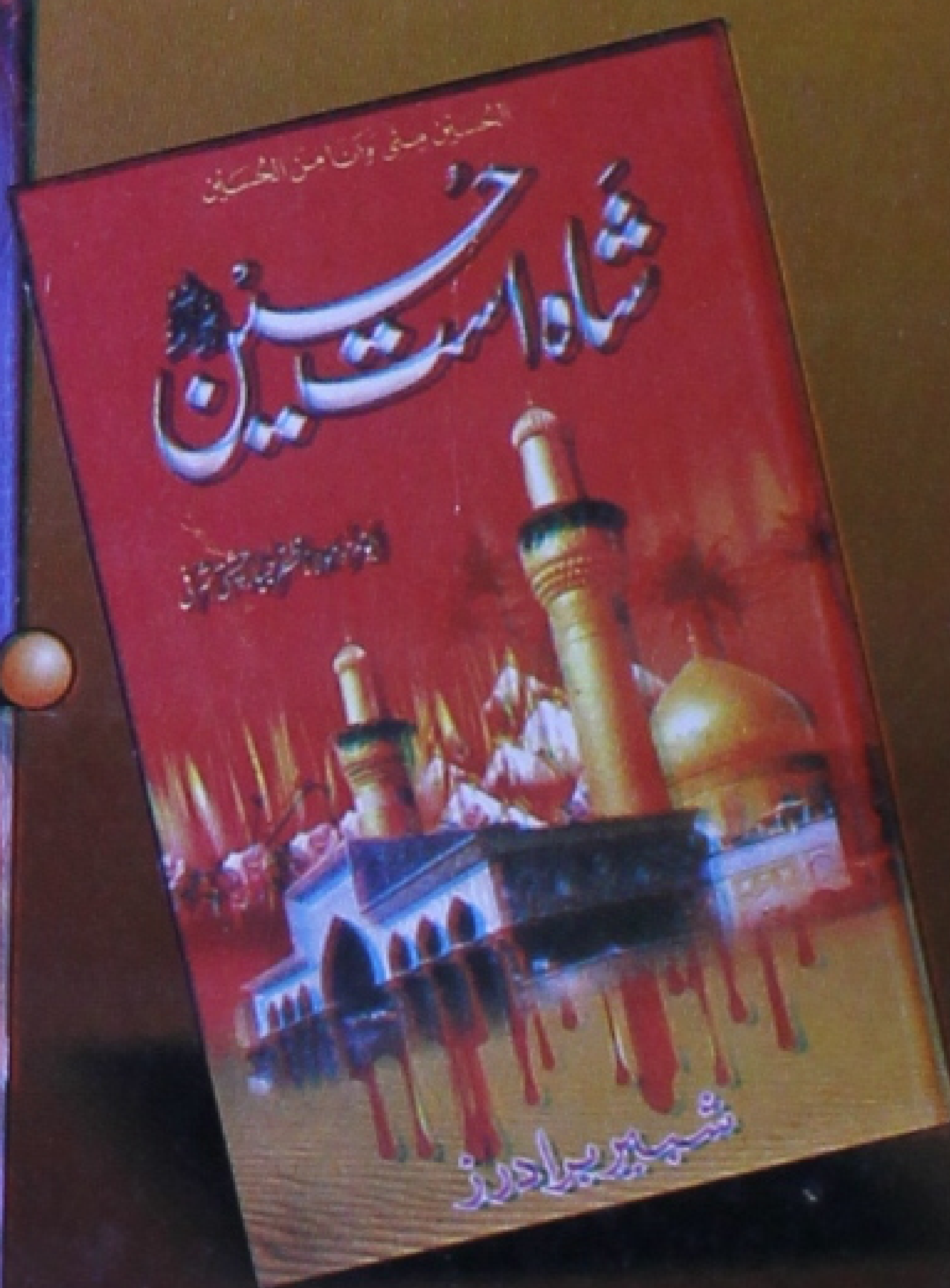
جانشین امام خطابت حضرت صاحبزادہ

پیر محمد عون احمد عمرو

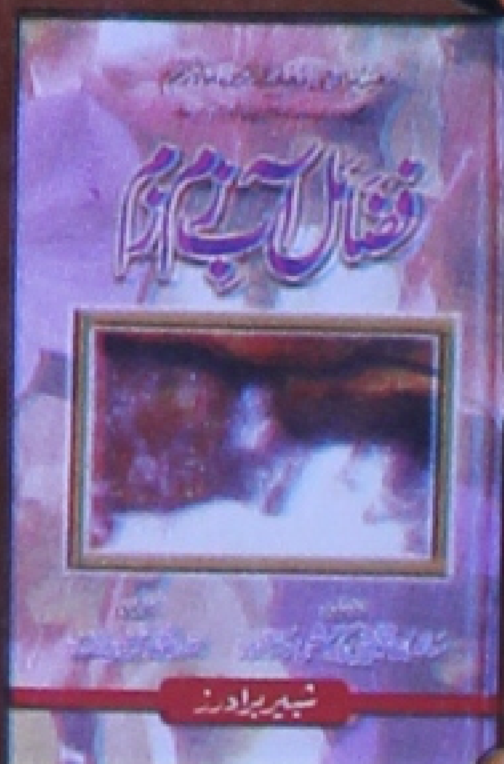
فیصل آباد (سمندری والے)











شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-7246006